احمدی نوجوانوں کیلئے
ماہنامہ
خالد
ربوہ
جولائی ۱۹۹۹ء
ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز

خداتعالیٰ کے فضل سے مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی ۴۳ ویں سالانہ تربیتی کلاس یکم مئی تا ۱۵ مئی ۱۹۹۹ء منعقد ہوئی
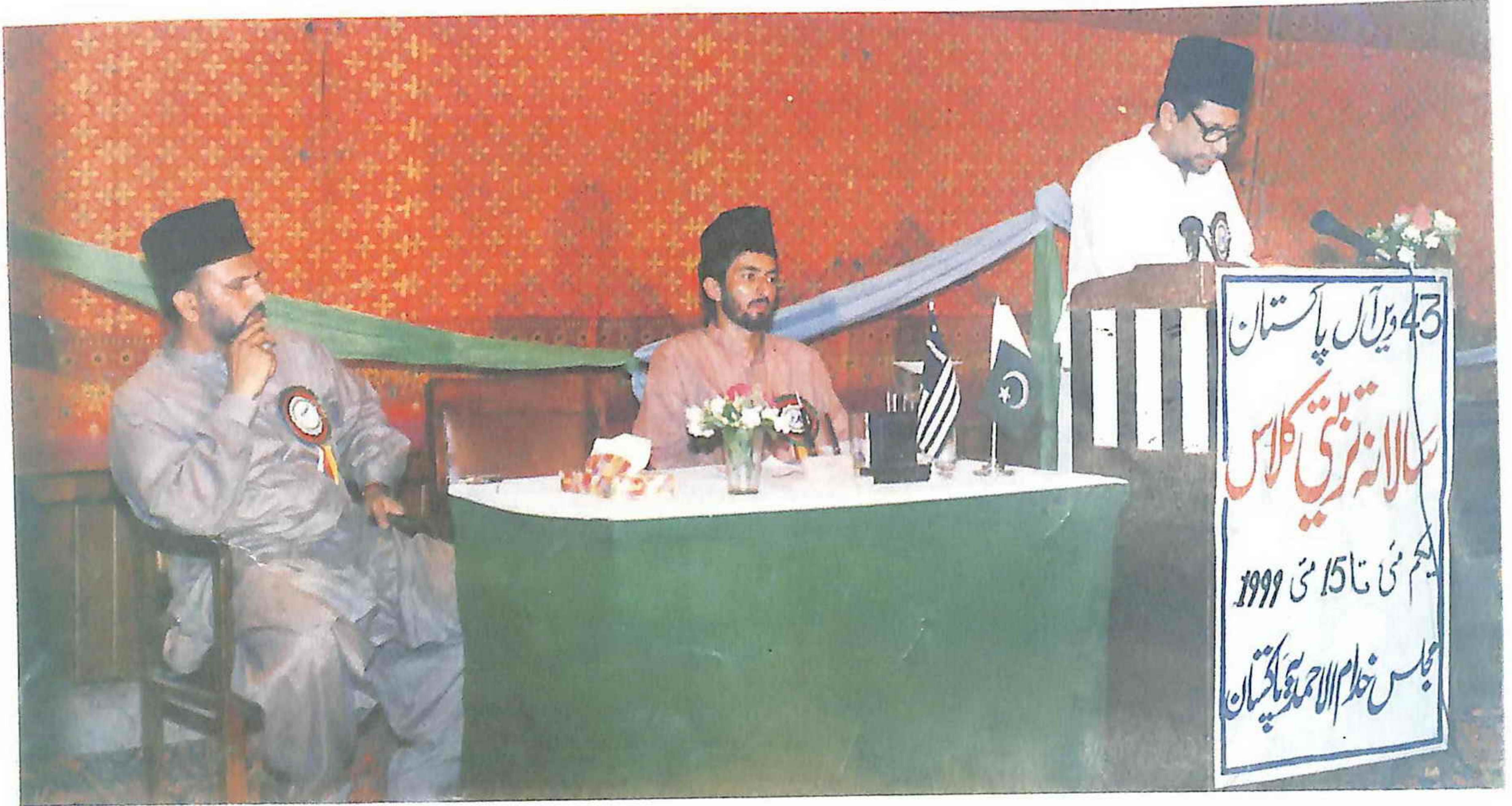
محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب امیر مقامی و ناظر اعلیٰ سالانہ تربیتی کلاس کی اختتامی تقریب سے خطاب فرما رہے ہیں۔ آپ کے دائیں محترم راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس اور درمیان میں مکرم مسعود احمد صاحب سلیمان ناظم اعلیٰ تشریف فرما ہیں۔

بزرگان سلسلہ سالانہ تربیتی کلاس کی اختتامی تقریب میں رونق افروز ہیں

محترم حافظ مظفر احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد (دعوت الی اللہ) نے مورخہ یکم مئی ۱۹۹۹ء کو ۴۳ ویں سالانہ تربیتی کلاس کا افتتاح فرمایا
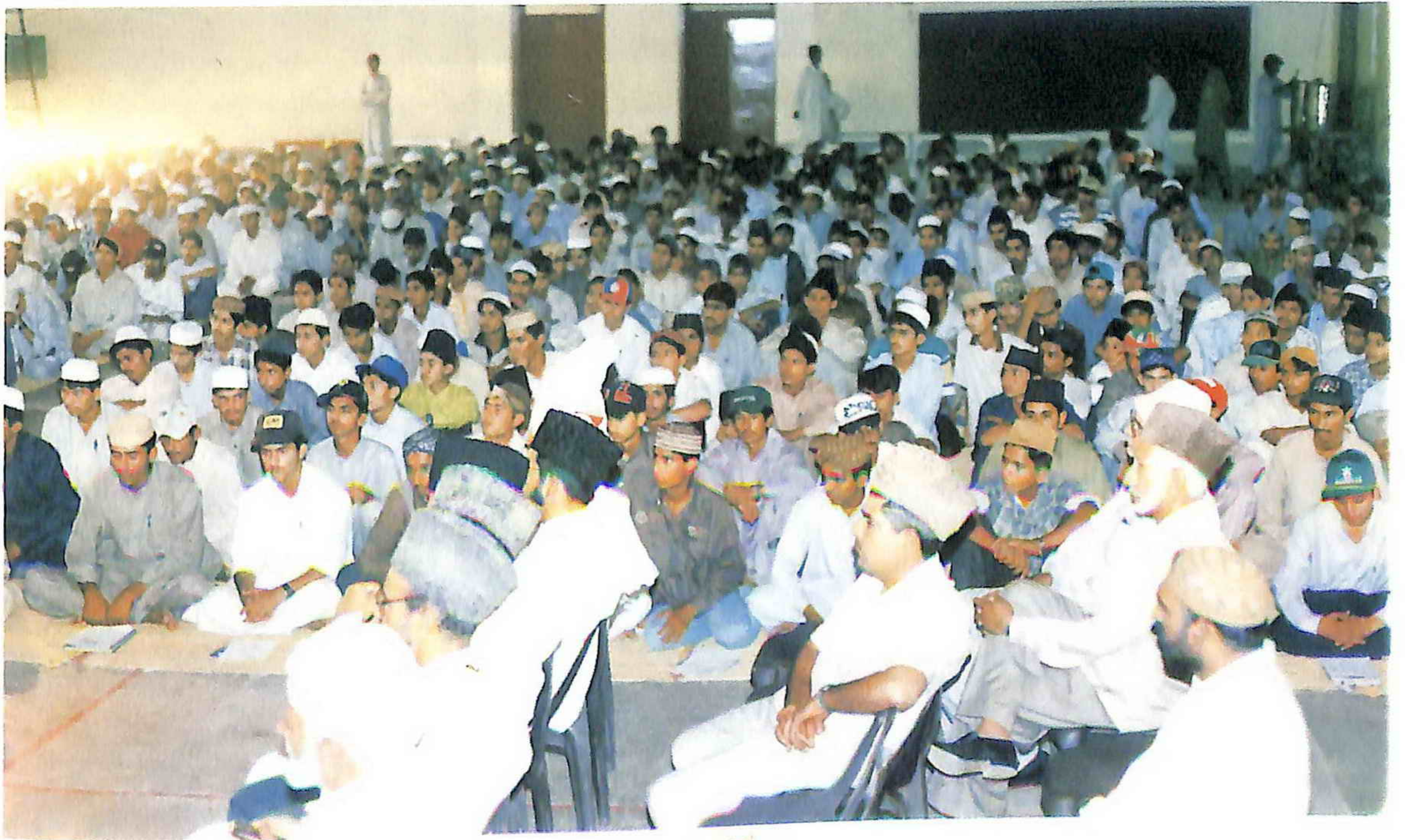
۴۳ ویں سالانہ تربیتی کلاس کی افتتاحی تقریب کے موقع پر طلباء و مہمانانِ گرامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

احمدی نوجوانوں کے لئے

وفا 1378 ہش

جولائی 1999ء

جلد 46 شمارہ 9

☆☆☆☆☆☆

فہرست مضامین

☆☆☆

قیمت پرچہ: -/7 روپے ☆ سالانہ چندہ: -/70 روپے
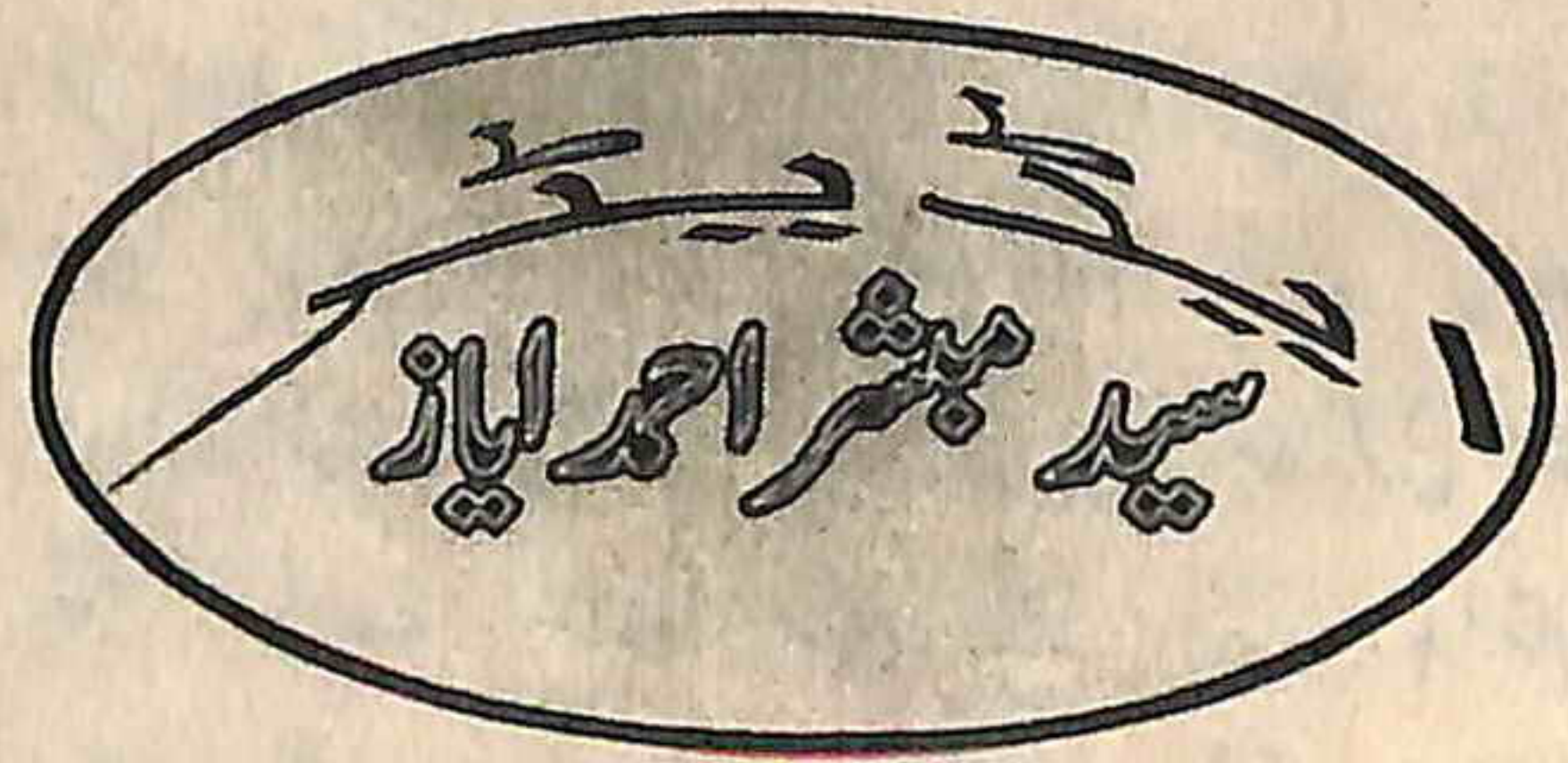
رابطہ آفس: دفتر ماہنامہ تشحیذ الاذہان دارالصدر جنوبی ربوہ

پبلشر: مبارک احمد خالد پرنٹر: قاضی منیر احمد مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

کلام الامام امام الکلام

کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہر گز

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔ "کیا تم کو یہ بات منہ سے نکالتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ ایک مکھی جس کے دیکھنے سے بھی طبیعتیں کراہت کرتی ہیں وہ اپنی ظاہری صورت اور باطنی ترکیب میں ایسی بے مثل ہے کہ اس پر نظر کرنے سے اس کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہے لیکن خدا کے کلام کی فصاحت اور بلاغت ایسی بے نظیر نہیں ہو سکتی جس پر نظر کرنے سے اس کلام کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہو۔ غافلو اور عقل کے اندھو! کیا تمہارے نزدیک خدا کے کلام کی فصاحت و بلاغت مکھی کے پروں اور پاؤں سے بھی درجہ میں کمتر اور خوبی میں فروتر ہے۔ کیا افسوس کا مقام ہے کہ ایک مچھر کی ترکیب جس کی نسبت تم صاف اقرار کرتے ہو کہ ایسی ترکیب انسان سے نہیں بن سکتی اور نہ آئندہ بنے گی لیکن کلام الٰہی کی نسبت کہتے ہو کہ وہ بن سکتی ہے بلکہ بطور بحث اور مجادلہ کے یہ حجت پیش کرتے ہو کہ گو اب تک کوئی انسان اس کے بنانے پر قادر نہیں ہوا مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ آئندہ بھی قادر نہ ہو۔ نادانو! اس کا وہی ثبوت ہے کہ جس کو تم مچھر اور مکھی میں اور درختوں کے ہر ایک پتے میں خوب سمجھتے اور تسلیم کرتے ہو مگر اس ربانی نور کے دیکھنے کے وقت تمہاری آنکھیں الو کی طرح اندھی ہو جاتی ہیں یا دھندلا جاتی ہیں اس لئے تم مگس طینتی سے مگس ہی کی عظمت کے قائل ہو خدا کے نور کی عظمت کے قائل نہیں۔ جن لفظوں کو کہتے ہو کہ معانی کی طرح وہ بھی خدا ہی کے منہ سے نکلے ہیں۔ ان کو تم اس لعاب کے برابر نہیں سمجھتے کہ جو مکھی کے منہ سے نکلتا ہے یعنی تمہارے نزدیک انسان شہد بنانے پر تو قادر نہیں پر خدا کے کلام کے بنانے پر قادر ہے۔ تمہاری نگاہ میں کیڑے مکوڑے کیسے جچ گئے اور ایسے من کو بھا گئے کہ خدا کی کلام ان کی مانند بھی نہیں۔ جاہلو! اگر خدا کی کلام بے مثل نہیں تو کیڑوں اور درختوں کے پتوں کے بے مثل ہونے کی تم کو کہاں سے خبر پہنچ گئی۔ تم ذرا سوچتے نہیں کہ اگر کلام ربانی کی ترکیب میں ایک کیڑے کی ترکیب جتنی بھی کمالیت نہیں تو گویا یہ خدا پر ہی اعتراض ٹھہرا۔ جس نے ادنیٰ کو اعلیٰ سے زیادہ تر شرف دے دیا اور ادنیٰ کو اپنی ذات پر وہ دلالتیں بخشیں کہ جو اعلیٰ کو نہیں۔

جمال و حسن قرآں نور جاں ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے

بہار جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے

کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہر گز
اگر لولوئے عماں ہے وگر لعل بدخشاں ہے

خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرار لاعلمی
سخن میں اس کے ہمتائی، کہاں مقدور انساں ہے

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہر گز
تو پھر کیونکر بنانا نور حق کا اس پہ آساں ہے

ارے لوگو! کرو کچھ پاس شان کبریائی کا
زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے

خدا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے
خدا سے کچھ ڈرو یارو یہ کیسا کذب و بہتاں ہے

اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذات واحد کا
تو پھر کیوں اس قدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے

(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد اول صفحہ ۱۸۶ تا ۲۰۴)

مطالعہ کتب حضرت اقدس کی اہمیت و برکات

(مکرم قاضی راشد متین احمد صاحب)

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے — اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

حضرت مسیح موعود کی پر معارف کتب

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت میں سرشار دیکھ کر قرآنی علوم و معارف کا علم عطا کیا اور آپ کو "سلطان القلم" کا خطاب عطا کیا اور یہ سب کچھ آپ کو آنحضرت ﷺ کی کامل پیروی اور اطاعت اور قرآن سے بے پناہ محبت کے سلسلے میں انعام ہوا اور آپ کی نوک قلم سے وہ قرآنی معارف صفحہ قرطاس پر موتیوں کی طرح بکھرے پڑے ہیں جو آپ کو رب ذوالجلال نے سکھائے اور رہتی دنیا تک کیلئے ان کتب کو انسانیت کیلئے مشعل راہ بنا دیا۔ آپ کی تمام کتب، اشتہارات، ملفوظات اس بات کے گواہ ہیں کہ تمام عمر قرآنی علوم و معارف ہی بیان فرمائے ہیں اور ایسا شاندار لٹریچر یادگار چھوڑا ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اگر شاہ دوسرا خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی دائمی برکات کو غیر محدود سمندر سمجھا جائے اور جو کہ یقیناً ہے تو آپ کا چھوڑا ہوا لٹریچر اس کا اک قطرہ ہے آپ خود فرماتے ہیں کہ:۔

این چشمہ رواں کہ بہ خلق خدا دھم
یک قطرہ ز بحر کمال محمد است

اور خدا نے اس ایک قطرے میں وہ برکت رکھ دی ہے کہ آج ساری دنیا کے پیاسے اس سے اپنی تشنگی مٹا رہے ہیں چنانچہ حضور اقدس فرماتے ہیں۔

"جو شخص میرے ہاتھ سے جام پیئے گا جو مجھے دیا گیا ہے وہ ہر گز نہیں مرے گا........ لیکن اگر یہ حکمت اور معرفت جو مردہ دلوں کیلئے آب حیات کا حکم رکھتی ہے دوسری جگہ سے نہیں مل سکتی تو تمہارے پاس اس جرم کا کوئی عذر نہیں کہ تم نے اس سرچشمہ سے انکار کیا جو آسمان پر کھولا گیا۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۲)

آپ کے اس علمی خزانہ سے ہر قوم و ملک کے لکھو کھا تشنہ کام سیراب ہو رہے ہیں اور اس سے ایسی روحانی لذت و سرور اٹھا رہے ہیں کہ جس کا مزہ کبھی نہ ختم ہونے والا ہے۔

اپنی تالیفات سے متعلق حضرت مسیح موعود کے ارشادات

آپ کا عربی، فارسی و اردو زبان میں نظم و نثر کی صورت میں چھوڑا ہوا لٹریچر ایک قیمتی خزانہ ہے اور اسی خزانہ سے متعلق آپ نے کہا تھا کہ

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

اللہ کرے کہ ہم ان خزائن کے امیدوار بنیں اور اپنے گھروں کو اور اپنے سینوں کو ان خزائن سے بھرلیں۔ آمین۔

آپ نے بارہا اپنی کتب کی اہمیت و برکات اور مخلوق کے عظیم مفاد کے پیش نظر احباب کو اپنی کتب کے مطالعہ کی نصیحت فرمائی ہے کہ

"ہماری کتابوں کو خوب پڑھتے رہو تاکہ واقفیت ہو اور کشتی نوح کی تعلیم پر عمل کرتے رہا کرو۔"

(ملفوظات جلد ۴ صفحہ ۱۸۷)

ارشاد فرمایا:۔

"سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے جس کو علم نہیں ہوتا مخالف کے سوال کے آگے حیران ہو جاتا ہے۔" (ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۵)

آپ نے فرمایا:۔

"یہ رسائل جو لکھے گئے ہیں تائید الٰہی سے لکھے گئے ہیں۔ میں ان کا نام وحی اور الہام تو نہیں رکھتا مگر یہ تو ضرور کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی خاص اور خوارق عادت تائید نے یہ رسالے میرے ہاتھ سے نکلوائے ہیں۔" (سر الخلافتہ صفحہ ۴)

اسی طرح تریاق القلوب میں بیان فرماتے ہیں۔

"میرے ہاتھ سے آسمانی نشان ظاہر ہو رہے ہیں اور میرے قلم سے قرآنی معارف چمک رہے ہیں۔ اٹھو اور تمام دنیا میں تلاش کرو کہ کیا کوئی عیسائیوں میں سے سکھوں میں سے یا یہودیوں میں سے یا کسی اور فرقہ میں سے ایسا ہے کہ آسمانی نشانوں کو دکھلانے اور معارف اور حقائق کے بیان کرنے میں میرا مقابلہ کر سکے۔" (صفحہ ۱۳۹)

حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اہمیت و برکات بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔

"جو کتابیں ایک ایسے شخص نے لکھی ہوں جس پر فرشتے نازل ہوتے تھے ان کے پڑھنے سے **ملائکۃ اللہ** نازل ہوتے ہیں چنانچہ حضرت صاحب کی کتابیں جو شخص پڑھے گا اس پر فرشتے نازل ہوں گے۔ یہ ایک خاص نکتہ ہے کہ کیوں حضرت صاحب کی کتابیں پڑھتے ہوئے نکات و معارف کھلتے ہیں.......... حضرت صاحب کی کتابیں بھی خاص فیضان رکھتی ہیں ان کا پڑھنا بھی ملائکہ سے فیضان حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور ان کے ذریعہ سے نئے علوم کھلتے ہیں۔" (ملائکۃ اللہ صفحہ ۱۹۴)

آپ مزید فرماتے ہیں کہ:۔

"خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی روح سے ممسوح کر کے ان علوم سے سرفراز فرمایا تھا جو اس زمانہ کیلئے ضروری ہیں۔" (دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ ۳۲۷)

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثالث آپ کی کتب کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت مسیح موعود کی کتب دراصل (دینی) علوم کا ایک بحر ذخار اور ایک قیمتی خزانہ ہیں ان علوم سے بہرہ ور ہونے اور اس دولت بے بہا سے خود کو بھی اور اپنی نسلوں کو بھی مالا مال کرنے میں کسی دم بھی غافل نہیں رہنا چاہئے تاکہ ہم شیطان ملعون کے ہر قسم کے وساوس سے محفوظ رہ کر خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے وارث بنتے چلے جائیں۔"

(الفضل ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۹ء صفحہ ۸)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس تحریری سلسلہ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"سلسلہ تحریر میں میں نے اتمام حجت کے واسطے مفصل طور سے ستر، پچھتر کتابیں لکھی ہیں اور ان میں سے ہر ایک جدا گانہ طور سے ایسی جامع ہے کہ اگر کوئی طالب حق اور طالب تحقیق ان کا غور سے مطالعہ کرے تو ممکن نہیں کہ اس کو حق و باطل میں فیصلہ کرنے کا ذخیرہ بہم نہ پہنچ جاوے۔ ہم نے اپنی عمر میں ایک بھاری ذخیرہ معلومات کا جمع کر دیا ہے اور جہاں تک ممکن تھا ان کی اشاعت بھی کی گئی ہے اور دوست اور دشمنوں نے ان کو پڑھا بھی ہے.......... معقولی رنگ میں اور منقولی طور سے تو اب ہم اپنے کام کو ختم کر چکے ہیں۔ کوئی پہلو ایسا نہیں رہ گیا جس کو ہم نے پورا نہ کیا ہو۔" (ملفوظات جلد دہم صفحہ ۲۲۹)

اور پھر آپ مزید تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"میں پھر پکار کر کہتا ہوں اور میرے دوست سن رکھیں کہ وہ میری باتوں کو ضائع نہ کریں اور ان کو صرف ایک قصہ گو یا داستان گو کی کہانیوں ہی کا رنگ نہ دیں۔ بلکہ میں نے یہ ساری باتیں نہایت دل سوزی اور سچی ہمدردی سے جو فطرتاً میری روح میں ہے کی ہیں۔ ان کو گوش دل سے سنو اور ان پر عمل کرو۔"

(ملفوظات جلد ا صفحہ ۹۰)

ان تمام اقتباسات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ جن خزائن کا ذکر حدیث میں ہے وہ یہی ہیں اور اگر اب بھی ہم ان خزائن سے اپنے گھر بھرنے کو تیار نہیں ہوتے تو بڑے ہی بدبخت ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے الفاظ میں۔

"کتنا ہی بدبخت ہے وہ بچہ جس کا باپ اس کو روحانی ورثہ سے محروم کر رہا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس زمانہ میں دوبارہ لا کر ہمیں دیا ہے اور کتنا ہی بدبخت ہے وہ باپ جسے یہ تو خیال ہے کہ اس کی مادی دولت اور جائیداد تو اس کی اولاد میں بطور ورثہ کے جائے لیکن اسے یہ خیال نہیں کہ یہ روحانی ورثہ اور اسلام کا یہ کھویا ہوا مال جو ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل اس زمانہ میں دوبارہ ملا ہے اس کی اولاد میں نہ جائے۔" (الفضل ۲۶ دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۲)

اللہ کرے کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا بچہ نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسا باپ ہو اللہ تعالیٰ ہماری کوتاہیوں کو دور فرمائے اور ہم میں سے ہر ایک کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس دعا کا مصداق بننے کی توفیق عطا فرمائے کہ:-

"خدایا مجھے ایسے لفظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو ان دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کی زہر کو دور کر دیں۔" (شہادت القرآن بار اول صفحہ ۳)

اللہ کرے کہ ہم میں سے ہر ایک کے دل کا زہر دور ہو اور ہم مطالعہ کتب حضرت مسیح موعود کی اہمیت، برکت اور افادیت کو صحیح رنگ میں سمجھنے والے ہوں اور یہ بیج اپنی اولادوں میں منتقل کرتے چلے جائیں تاکہ جوت سے جوت چلتی رہے۔ آمین

ڈاکٹر عبدالسلام

وہ علم وآگہی میں فقید المثال تھا
تحقیق و جستجو میں بڑا باکمال تھا

نوبل اِنعام یافتہ اِک مردِ باخدا
عبدالسلام سب کے لئے نیک فال تھا

عہدِ وفا جو باندھا نبھایا تمام عُمر
صِدق و سِداد میں وہ عدیم المثال تھا

عبدالسلام والا و شیدا اِمام کا
طاعت میں منفرد تھا بڑا خوش خِصال تھا

جُھک کر سلام کرتے تھے اربابِ اِقتدار
لیکن وہ خاکساری میں اپنی نہال تھا

ہر آن وہ خدا کے ہی در کا گدا رہا
اُس کی متاعِ زِیست فقط اتصال تھا

عبدِ شکور تھا وہ سدا شکر ہی کیا
نہ کوئی دبدبہ تھا نہ جاہ جلال تھا

سارے جہاں میں نام ہوا اس کا مگر وہ خود
عارِف تھا نفس ذات کا پُر اِنفِعال تھا

اُس بندہِ خدا نے ہمیشہ یہی کہا
فضلِ خدا ہے یہ تو نہ میرا کمال تھا

اس کا وجود باعثِ ترویج علم و فن
تزئینِ ملک و قوم تھا حسن و جمال تھا

سرچشمہِ فیوض تھی وہ ذات حق شناس
اظہار احدیت میں وہ مثلِ بلالؓ تھا

اِک بحرِ بیکراں تھا علوم و فنون کا
وہ شخص جو کہ عارفِ ماضی و حال تھا

اس کا حوالہ باعثِ اعزازِ ملک و قوم
ارضِ وطن کے واسطے بدر و ہلال تھا

اپنوں کی بے رُخی کا گِلہ تک نہیں کیا
مقصد میں وہ مگن تھا مگر پُر ملال تھا

اپنے وطن میں رہ کے بھی وہ اجنبی رہا
پھر بھی وطن کی آن کا اُس کو خیال تھا

جہد عمل سے اس کو ملا رُتبہ بلند
وہ خود تو عاجزی کی درخشاں مثال تھا

سچ کر دکھایا اُس نے خدا کے کلام کو
اِعزاز یہ بھی حاصل ہے عبدلسلام کو

(سید سجاد احمد۔ ربوہ)

تعارف کتب
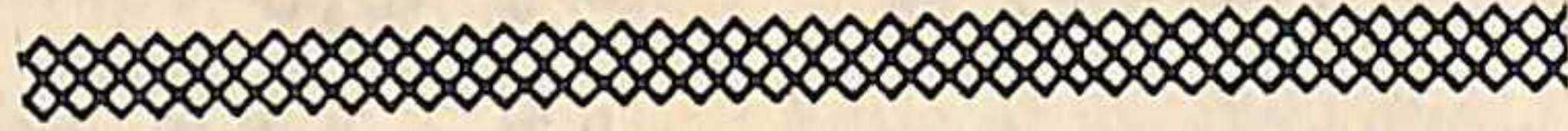
جنگِ مقدس

کتاب "جنگ مقدس" اس عظیم الشان مباحثہ کی مکمل روئیداد کا نام ہے جو امرتسر میں اہل۔۔۔ اور عیسائیوں کے مابین ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء سے لیکر ۵ جون ۱۸۹۳ء تک ہوا۔ جس میں اہل ۔۔۔ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور عیسائیوں کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم مناظر تھے۔

اسباب مباحثہ

اس وقت مسیحیت کی تبلیغ عنفوان شباب پر تھی۔ اور مختلف شہروں اور دیہات میں ان کے مشن قائم تھے۔ اور ہندوستانی مسلمان اور دیگر اقوام کے لوگ پے در پے عیسائی ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ یہ خیال کیا جانے لگا تھا کہ چند سالوں میں ہندوستان عیسائیت کی آغوش میں آجائے گا۔

سب سے پہلے چرچ مشنری سوسائٹی نے ہندوستان میں ۱۷۹۹ء میں تبلیغی کام شروع کیا تھا۔ لیکن اس وقت بہت سی مشنری سوسائٹیاں کام کر رہی تھیں جن کے ہیڈ کوارٹرز انگلستان جرمنی اور امریکہ وغیرہ ممالک تھے۔ ۱۹۰۱ء میں ان مشنری سوسائٹیوں کی تعداد ۳۷ تھی اور ایک بہت بڑی تعداد مشنریوں کی ایسی بھی تھی جو ان سوسائٹیوں سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ وسط ایشیاء میں عیسائیت کے مشنری کام کے لئے پنجاب کو ایک قدرتی بیس Base سمجھتے تھے۔ اور پنجاب کے تیرہ مشہور شہروں میں ان کے بڑے بڑے مشن قائم تھے۔ ان میں سے ایک مشن امرتسر میں قائم تھا۔ یہ مشن چرچ مشنری سوسائٹی نے ۱۸۵۲ء میں قائم کیا تھا۔ اور جنڈیالہ ضلع امرتسر میں عیسائی مشن کی بنیاد ۱۸۵۴ء میں رکھی گئی تھی۔ لیکن جب ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک ایم۔ ڈی۔ سی۔ ایم (ایڈنبرا) ایم آر اے ایس۔ سی ایم ایس ضلع امرتسر کے میڈیکل مشنری انچارج تھے تو انہوں نے ۱۸۸۲ء میں امرتسر میڈیکل مشن کی ایک شاخ جنڈیالہ میں بھی جاری کر دی جو عیسائیت کے فروغ کا نیا دروازہ ثابت ہوئی۔ عیسائی مناد جابجا وعظ کرنے لگے۔ جنڈیالہ کے مسلمانوں میں سے ایک میاں محمد بخش پاندہ مکتب دیسی تھے وہ باوجود معمولی تعلیم رکھنے کے ان کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے بعض دوسرے مسلمان بھائیوں کو بھی عیسائی منادوں پر سوالات کرنے سکھا دیئے۔ اب جنڈیالہ کے مسلمانوں اور مسیحی منادوں میں گفتگوئیں شروع ہو گئیں۔ آخر جنڈیالہ کے عیسائیوں نے ڈاکٹر کلارک سے صورت حالات کا ذکر کیا تو انہوں نے مسیحیان جنڈیالہ کی طرف سے میاں محمد بخش صاحب کو مخاطب کر کے مسلمانان جنڈیالہ کے نام ایک خط لکھا جو اس جلد کے صفحہ ۲۰ پر درج ہے اس میں ڈاکٹر کلارک نے مسیحیان جنڈیالہ کی طرف سے لکھا کہ :۔

"آپ خواہ خود یا اپنے ہم مذہبوں سے مصلحت کر کے ایک وقت مقرر کریں اور جس کسی بزرگ پر آپ کی تسلی ہو اسے طلب کریں اور ہم بھی وقت معین پر محفل شریف میں کسی اپنے کو پیش کریں گے کہ جلسہ اور فیصلہ امورات مذکورہ بالا کا بخوبی ہو جائے۔"

اور لکھا :۔

"کہ اگر صاحبان اہل اسلام ایسے مباحثہ میں شریک نہ ہونا چاہیں تو آئندہ کو اپنے اسپِ کلام کو میدان گفتگو میں جولانی نہ دیں اور وقت منادی یا دیگر موقعوں پر حجت بے بنیاد و لاحاصل سے باز آکر خاموشی اختیار کریں"۔ (صفحہ ۶۰)

یہ خط میاں محمد بخش صاحب کو ۱۱ اپریل ۱۸۹۳ء کو ملا جو انہوں نے مع اپنے خط کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دیا۔ اور اپنے خط میں حضور سے یہ التماس کی کہ :۔

"اہل ..... جنڈیالہ اکثر کمزور اور مسکین ہیں۔ اس لئے خدمت شریف عالی میں ملتمس ہوں کہ آنجناب للہ اہل .... جنڈیالہ کو امداد فرماؤ۔ ورنہ اہل ... پر دھبہ آجائے گا۔"

اس خط کے ملنے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور میاں محمد بخش صاحب کو اس کا مناسب جواب بھجوانے کے علاوہ اپنے ایک خط ۱۳ اپریل ۱۸۹۳ء کو براہ راست مسیحیان جنڈیالہ کے نام ڈاکٹر کلارک امرتسر کی معرفت بھیج دیا۔ جس میں آپ نے ان کی دعوت مباحثہ مندرجہ مکتوب بنام میاں محمد بخش صاحب کا ذکر کر کے لکھا :۔

"کہ جنڈیالہ کے مسلمانوں کا ہم سے کچھ زیادہ حق نہیں۔ بلکہ جس حالت میں خداوند کریم اور رحیم نے اس عاجز کو انہی کاموں کے لئے بھیجا ہے تو ایک سخت گناہ ہو گا کہ ایسے موقعہ پر خاموش رہوں۔ اس لئے میں آپ لوگوں کو اطلاع دیتا ہوں کہ اس کام کے لئے میں ہی حاضر ہوں۔" (صفحہ ۶۱)

اور تحریر فرمایا کہ :۔

"یہ بحث زندہ مذہب یا مردہ مذہب کی تنقیح کے بارے میں ہو گی اور دیکھا جاوے گا کہ جن روحانی علامات کا مذہب اور کتاب نے دعویٰ کیا ہے وہ اب بھی اس میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔"

اور اس امر کا ثبوت اس طرح پیش کیا جائے گا۔

"اہل اسلام کا کوئی فرد اس تعلیم اور علامات کے موافق جو کامل مسلمان ہونے کے لئے قرآن کریم میں موجود ہیں اپنے نفس کو ثابت کرے۔ اور اگر نہ کر سکے تو دروغگو ہے نہ مسلمان۔ اور ایسا ہی عیسائی صاحبوں میں سے ایک فرد اس تعلیم اور علامات کے موافق جو انجیل شریف میں موجود ہیں اپنے نفس کو ثابت کر دکھلائے۔ اگر وہ ثابت نہ کر سکے تو دروغگو ہے نہ عیسائی۔" (صفحہ ۶۱)

۲۳/اپریل ۱۸۹۳ء کو اس خط کا جواب دیتے ہوئے پادری صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا کہ میں اپنے چند عزیز دوست بطور سفیر منتخب کر کے آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اس پاک جنگ کے لئے آپ مجھے مقابلہ پر منظور فرمائیں گے۔ جب آپ کا پہلا خط جو جنڈیالہ کے بعض مسلمانوں کے نام تھا مجھ کو ملا اور میں نے یہ عبارتیں پڑھیں کہ کوئی ہے کہ ہمارا مقابلہ کرے تو میری روح اس وقت بول اٹھی کہ ہاں میں ہوں جس کے ہاتھ پر خدا تعالیٰ ..... کو فتح دے گا۔ اور سچائی کو ظاہر کرے گا۔ وہ حق جو مجھ کو ملا ہے اور وہ آفتاب جس نے ہم میں طلوع کیا ہے۔ وہ اب پوشیدہ رہنا نہیں چاہتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ زور دار شعاعوں کے ساتھ نکلے گا۔ اور دلوں پر اپنا ہاتھ ڈالے گا اور اپنی طرف کھینچ لائے گا۔ اور آپ نے یہ بھی واضح کر دیا۔

"کہ یہ بحث صرف زمین تک محدود نہ رہے بلکہ آسمان بھی اس کے ساتھ شامل ہو۔ اور مقابلہ صرف اس بات میں نہ ہو کہ روحانی زندگی اور آسمانی قبولیت اور روشن ضمیری کس مذہب میں ہے۔ اور میں اور میرا مقابل اپنی اپنی کتاب کی تاثیریں اپنے اپنے نفس میں ثابت کریں۔"

آپ کے سفیروں کا وفد اس خط کو لے کر امرتسر پہنچا اور ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک سے ان کی گفتگو ہوئی اور شرائط مناظرہ طے ہو گئیں۔ تب ۲۴/اپریل ۱۸۹۳ء کو ڈاکٹر کلارک نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ :۔

"جناب نے جو ...... کی طرف سے مجھے مقابلہ کے لئے دعوت کی ہے اس کو میں بخوشی قبول کرتا ہوں۔ آپ کی طرف سے مباحثہ اور شرائط ضرور یہ کا فیصلہ کر لیا ہے..... آپ اطلاع بخشیں کہ آپ ان شرائط کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔"

یہ شرائط اس جلد کے صفحہ ۶۷-۶۹ پر درج ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ۱۵ اپریل ۱۸۹۳ء کو پادری ڈاکٹر کلارک کو جواباً لکھا کہ :۔

"میں ان تمام شرائط کو منظور کرتا ہوں۔ جن پر آپ کے اور میرے دوستوں کے دستخط ہو چکے ہیں۔" (صفحہ ۶۹)

منظوری دیتے ہوئے آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ اس مباحثہ کو دونوں مذہبوں میں فیصلہ کن بنانے کے لئے یہ بھی ہونا ضروری ہے کہ چھ دن کے مباحثہ کے بعد ساتویں دن ایک روحانی مقابلہ بصورت مباہلہ کیا جائے۔

آسمانی نشان دکھانے کے لئے دعوت

اس کے بعد آپ نے وہ اشتہار لکھا جس کا عنوان ہے "ڈاکٹر پادری کلارک کا جنگ مقدس اور ان کے مقابلہ کے لئے اشتہار" یہ اشتہار اس جلد کے صفحہ ۴۴۔ ۵۰ پر درج ہے۔ اس میں مختصر طور پر مناظرہ کی طے شدہ شرائط کے ذکر کے علاوہ مباحثہ کے بعد مباہلہ اور نشان نمائی کی دعوت دی گئی ہے۔

مباہلہ کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا :۔

"وہ صرف اس قدر کافی ہے کہ فریقین صرف اپنے مذہب کی تائید کے لئے خدا تعالیٰ سے آسمانی نشان چاہیں۔ اور ان نشانوں کے ظہور کے لئے ایک سال کی معیاد قائم ہو۔ پھر جس فریق کی تائید میں کوئی آسمانی نشان ظاہر ہو جو انسانی طاقتوں سے بڑھ کر ہو۔ جس کا مقابلہ فریق مخالف سے نہ ہو سکے تو لازم ہو گا کہ فریق مغلوب اس فریق کا مذہب اختیار کرے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے آسمانی نشان کے ساتھ غالب کیا ہے اور مذہب کے اختیار کرنے سے اگر انکار کرے............ تو واجب ہو گا کہ اپنی نصف جائیداد اس سچے مذہب کی امداد کی غرض سے فریق غالب کے حوالے کر دے۔" (صفحہ ۴۸)

اور فرمایا :۔

"اگر ایک سال کے عرصہ میں دونوں طرف سے کوئی نشان ظاہر نہ ہو یا دونوں طرف سے ظاہر ہو۔ تو یہ راقم اس صورت میں بھی اپنے تئیں مغلوب سمجھے گا اور ایسی سزا کے لائق ٹھہرے گا جو بیان ہو چکی ہے۔ چونکہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوں اور فتح پانے کی بشارت پا چکا ہوں۔ پس اگر کوئی عیسائی صاحب میرے مقابل آسمانی نشان دکھلا دیں۔ یا میں ایک سال تک نہ دکھلا سکوں تو میرا باطل پر ہونا کھل گیا............ میری سچائی کے لئے ضروری ہے کہ میری طرف سے بعد مباہلہ ایک سال کے اندر ضرور نشان ظاہر ہو۔ اور اگر نشان ظاہر نہ ہو تو پھر میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں اور نہ صرف وہی سزا بلکہ موت کی سزا کے لائق ہوں۔" (صفحہ ۴۹)

آپ نے نشان نمائی اور مباہلہ کے متعلق مباحثہ کے دوران میں بار بار فریق مقابل کو توجہ دلائی لیکن ان میں سے کوئی اس روحانی مقابلہ کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ اور عبداللہ آتھم نے تو اپنے ایک خط میں صاف لکھ دیا۔

"کہ تعلیمات قدیمہ کے لئے معجزہ جدید کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے ہم معجزہ کیلئے نہ کچھ حاجت اور نہ استطاعت اپنے اندر دیکھتے ہیں...... ہاں بہر کیف اگر جناب کسی معجزہ کے دکھلانے پر آمادہ ہیں تو ہم اس کے دیکھنے سے آنکھیں بند نہ کریں گے اور جس قدر اصلاح اپنی غلطی کی آپ کے معجزہ سے کر سکتے ہیں اس کو اپنا فرض عین سمجھیں گے۔" (صفحہ ۵۲)

حضور نے نشان دیکھنے کے بعد بلا توقف مسلمان ہو جانے کی جو شرط لگائی تھی مسٹر عبداللہ آتھم نے اپنے خط مورخہ ۹ مئی ۱۸۹۳ء میں ان الفاظ میں منظور کر لی کہ

"کہ اگر جناب یا اور کوئی صاحب کسی صورت سے بھی یعنی بہ تحدی معجزہ یا دلیل قاطع عقلی تعلیمات قرآنی کو ممکن اور موافق صفات اقدس ربانی کے ثابت کر سکیں تو میں اقرار کرتا ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں گا۔" (صفحہ ۸۰)

آخر کار جب پادریوں کو فرار کی کوئی راہ دکھائی نہ دی تو

بادل ناخواستہ انہیں مباحثہ کا تلخ پیالہ پینا پڑا۔ اور مباحثہ ڈاکٹر کلارک کی کوٹھی پر فریقین کی منظور شدہ شرائط کے مطابق ۲۲ مئی ۱۸۹۳ء سے شروع ہو کر ۵ جون ۱۸۹۳ء کو ختم ہوا۔ یہ جنگ مقدس جو کاسرِ صلیب اور حامیانِ صلیب کے مابین ہوئی۔ اس میں میدان (دین حق) کے پہلوان کے ہاتھ رہا۔ اور کسر صلیب ایسے رنگ میں ہوا کہ پھر صلیب جڑنے کے قابل نہ رہی۔ ..... خوش ہوئے اور حامیان صلیب کے ہاں صف ماتم بچھ گئی۔

مسیح موعود کا روحانی حربہ

احادیث میں آتا ہے کہ مسیح موعود دجال کو اپنے حربہ (برچھی) کے ایک ہی وار سے قتل کر دے گا اور ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ وہ باب لُد میں قتل کرے گا۔ اور لُدّ عربی زبان میں اَلدّ کی جمع ہے یعنی ایسے لوگ جو جدال اور مباحثہ میں غالب آ جائیں۔ سو اس میں اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود اور آپ کے ساتھ دجال کو مباحثات کے دروازے سے قتل کریں گے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی اپنی پوری شان سے پوری ہوئی۔

کاسر صلیب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابتدائے مناظرہ میں ہی ایک ایسا وار کیا جس سے آپ کا حریف پادری عبداللہ آتھم اور اس کے مددگار آخر دم تک نیم مردہ کی مانند آئیں بائیں شائیں تو کرتے رہے لیکن حقیقی جواب نہ ان سے ہو سکتا تھا اور نہ ہوا۔ آپ کا وہ کامیاب وار یہ تھا۔ آپ نے فرمایا:۔

"اس بحث میں نہایت ضروری ہو گا کہ جو ہماری طرف سے کوئی سوال ہو یا ڈپٹی عبداللہ آتھم کی طرف سے کوئی جواب ہو وہ اپنی طرف سے نہ ہو بلکہ اپنی اپنی الہامی کتاب کے حوالہ سے ہو جس کو فریق ثانی حجت سمجھتا ہو۔ اور ایسا ہی ہر ایک دلیل اور ہر ایک دعویٰ جو پیش کیا جاوے وہ بھی اسی التزام سے ہو۔ غرض کوئی فریق اپنی اپنی کتاب کے بیان سے باہر نہ جائے جس کا بیان بطور حجت ہو سکتا ہے۔" (صفحہ ۸۹)

سارے مباحثہ کو از ابتداء تا انتہا پڑھ جاؤ۔ یہ امر واضح ہو جائے گا کہ عیسائی مناظر آخر دم تک اس معیار پر پورا نہیں اتر سکا بلکہ تعجب ہے کہ وہ دعویٰ اور دلیل میں بھی فرق نہیں کر سکا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن مجید سے جو دعویٰ پیش کیا اس کے اثبات میں عقلی دلائل بھی قرآن مجید سے ہی پیش کئے۔

پادریوں کا وار

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جب دوران مناظرہ میں بار بار زندہ مذہب کی شناخت کا معیار تازہ نشان دکھانا قرار دیا اور یہ کہ مدعی فریق جس کتاب کو الہامی سمجھتا ہے اس میں مومن کی بیان کردہ علامات کو اپنے وجود میں ثابت کر دکھائے تو وہ پکا ..... یا عیسائی ہو سکتا ہے۔ اور خود نہایت زور وشور سے دعویٰ کیا کہ قرآن مجید میں ایمان کی بیان کردہ علامات کو میں اپنے وجود میں ثابت کر دکھاؤں گا اور ایک سال کے اندر اندر جس رنگ میں اللہ تعالیٰ چاہے گا ایسا نشان دکھاؤں گا جس پر فریق مخالف ہر گز ہر گز قادر نہ ہو گا۔

پادری عبداللہ آتھم نے اس دعوت کو قبول کرنے سے بھی پہلو تہی کی۔ لیکن کئی دن کے غور و فکر کے بعد ایک سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت اپنی طرف سے ایک ایسا وار کیا جس کے متعلق انہیں یقین تھا کہ اس وار سے فریق مخالف ضرور شکست یافتہ سمجھا جائے گا اور ہمارے ہاں فتح کے نقارے بجیں گے اور وہ وار یہ تھا کہ ۲۶ مئی ۱۸۹۳ء کے مباحثہ کے دن پادری عبداللہ آتھم نے یہ بیان لکھوایا کہ:۔

"ہم مسیحی پرانی تعلیمات کے لئے نئے معجزات کی کچھ ضرورت نہیں دیکھتے اور نہ ہم اس کی استطاعت اپنے اندر دیکھتے ہیں...... اور نشانات کا دعویٰ ہم سے نہیں۔ لیکن جناب کو اس کا بہت سا ناز ہے ہم بھی دیکھنے معجزہ سے انکار نہیں کرتے۔"

"پس ہم تین شخص پیش کرتے ہیں جن میں ایک اندھا ایک ٹانگ کٹا اور ایک گونگا ہے اس میں کسی کو صحیح و سالم کر سکو کر دو۔

اور جو اس معجزہ سے ہم پر فرض و واجب ہوگا ہم ادا کریں گے۔ آپ بقول خود ایسے خدا کے قائل ہیں جو گفتہ قادر نہیں لیکن در حقیقت قادر ہے تو وہ ان کو تندرست بھی کر سکے گا۔ پھر اس میں تامل کی کیا ضرورت ہے اور ضرور بقول آپ کے راستباز کے ساتھ ہوگا۔ ضرور ہوگا۔ آپ خلق خدا پر رحم فرمائیے جلد فرمائے۔ اور آپ کو خبر ہوگی کہ آج یہ معاملہ پڑنا ہے۔ جس خدا نے الہام سے آپ کو یہ خبر دے دی کہ اس جنگ و میدان میں تجھے فتح ہے اس نے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا ہوگا کہ اندھے و دیگر مصیبت زدوں نے بھی پیش ہونا ہے۔ سو سب عیسائی صاحبان و محمدی صاحبان کے روبرو اسی وقت اپنا چیلنج پورا کیجئے۔" (صفحہ ۱۵۰۔۱۵۱)

عیسائی تو دل میں بے انتہاء خوشی محسوس کر رہے تھے کہ ہم نے ایسا وار کیا ہے جس کا نتیجہ لازمی طور پر ہماری فتح ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا شیر جو پہلے سے اپنے حیؔ و قادر خدا سے اس جنگ میں فتح کی بشارت پا چکا تھا۔ مطمئن بیٹھا تھا۔ آپ کے چہرہ پر پریشانی کا کوئی اثر نہ تھا تا پادریوں کے دجل کو ھباءً منثورا کر کے دکھا دے۔ سو جب پادری آتھم اپنا بیان لکھوا چکے اور آپ کے بیان لکھوانے کا وقت آیا تو آپ نے نہایت جلالی رنگ میں اپنا بیان لکھوانا شروع کیا۔ فرمایا کہ اگر آپ سچے عیسائی ہیں تو بتائیں کہ

"آپ کے مذہب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو نشانیاں نجات یابندوں یعنی حقیقی ایمانداروں کی لکھی ہیں وہ آپ میں کہاں موجود ہیں مثلاً جیسے مرقس ۱۶/۱۷ میں لکھا ہے۔

"اور وے جو ایمان لائیں گے ان کے ساتھ یہ علامتیں ہونگی۔ وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائیں گے۔"

تو اب میں باادب التماس کرتا ہوں اور اگر ان الفاظ میں کچھ درشتی یا مرارت ہو تو اس کی معافی چاہتا ہوں کہ تین بیمار جو آپ نے پیش کئے ہیں یہ علامت تو بالخصوص مسیحیوں کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرار دے چکے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم سچے ایماندار ہو تو تمہاری یہی علامت ہے کہ بیمار پر ہاتھ رکھو گے تو وہ چنگا ہو جائے گا۔ اب گستاخی معاف۔ اگر آپ کو سچے ایماندار ہونے کا دعویٰ ہے تو اس وقت تین بیمار آپ ہی کے پیش کردہ موجود ہیں۔ آپ ان پر ہاتھ رکھ دیں اگر وہ چنگے ہو گئے تو ہم قبول کر لیں گے کہ بے شک آپ سچے ایماندار اور نجات یافتہ ہیں۔ ورنہ کوئی قبول کرنے کی راہ نہیں کیونکہ حضرت مسیح تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوتا تو اگر تم پہاڑ کو کہتے کہ یہاں سے چلا جا تو وہ چلا جاتا۔ مگر خیر میں اس وقت پہاڑ کی نقل مکانی تو آپ سے نہیں چاہتا کیونکہ وہ ہماری اس جگہ سے دور ہیں۔ لیکن یہ تو بہت اچھی تقریب ہو گئی ہے کہ بیمار تو آپ نے ہی پیش کر دیئے۔ اب آپ ان پر ہاتھ رکھو اور چنگا کر کے دکھاؤ۔ ورنہ ایک رائی کے دانہ کے برابر ایمان بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

مگر آپ پر یہ واضح رہے کہ یہ الزام ہم پر عائد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ جلشانہٗ نے قرآن کریم میں ہماری یہ نشانی نہیں رکھی کہ بالخصوص تمہاری یہی نشانی ہے کہ جب تم بیماروں پر ہاتھ رکھو گے تو چنگے ہو جائیں گے۔ بلکہ فرمایا ہے کہ میں اپنی رضا اور مرضی کے موافق تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ اور کم سے کم یہ کہ اگر ایک دعا قبول کرنے کے لائق نہ ہو اور مصلحت الٰہی کے مخالف ہو تو اس میں اطلاع دی جائے گی یہ کہیں نہیں فرمایا کہ تم کو یہ اقتدار دیا جائے گا کہ اقتداری طور پر جو چاہو کر گذرو گے۔ مگر مسیح کا تو یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیماروں وغیرہ کے چنگا کرنے میں اپنے تابعین کو اختیار بخشتے ہیں جیسا کہ متی باب ۱۰/۱ میں لکھا ہے.....

اب یہ آپ کا فرض اور آپ کی ایمانداری کا ضروری نشان ہو گیا کہ ان بیماروں کو چنگا کر کے دکھلا دیں یا یہ اقرار کریں کہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ہم میں ایمان نہیں.....اور آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ اب بھی حضرت مسیح زندہ حیؔ و قیوم قادر مطلق عالم الغیب دن رات آپ کے ساتھ ہے جو چاہو وہی دے سکتا ہے۔

پس آپ حضرت مسیح سے درخواست کریں کہ ان تینوں بیماروں کو آپ کے ہاتھ سے اچھا کر دیویں تا نشانی ایمانداری کی آپ میں باقی رہ جاوے۔ ورنہ یہ تو مناسب نہیں کہ ایک طرف تو اہل حق کے ساتھ بحیثیت عیسائی ہونے کے مباحثہ کریں اور جب سچے عیسائی کے نشان مانگے جائیں تب کہیں کہ ہم میں استطاعت نہیں اس بیان سے تو آپ اپنے پر اقبالی ڈگری کراتے ہیں کہ آپ کا مذہب اس وقت زندہ مذہب نہیں ہے۔ لیکن ہم جس طرح خدا تعالیٰ نے ہمارے سچے ایماندار ہونے کے نشان ٹھہرائے ہیں اس التزام سے نشان دکھانے کو تیار ہیں اگر نہ دکھلا سکیں تو جو سزا چاہیں دے دیں اور جس طرح کی چھری چاہیں ہمارے گلے پر پھیر دیں۔" (صفحہ ۱۵۳۔۱۵۵)

نیز فرمایا۔ بر عایت شرائط بحث کے

"میرے مخاطب اس بارہ میں ڈپٹی عبداللہ آتھم صاحب ہیں۔ صاحب موصوف کو چاہئے کہ انجیل شریف کی علامات قرار دادہ کے موافق سچا ایماندار ہونے کی نشانیاں اپنے وجود میں ثابت کریں۔ اور اس طرف میرے پر لازم ہوگا کہ میں سچا ایمان دار ہونے کی نشانیاں قرآن کریم کی رو سے اپنے وجود میں ثابت کروں۔ مگر اس جگہ یاد رہے کہ قرآن ہمیں اقتدار نہیں بخشتا بلکہ ایسے کلمہ سے ہمارے بدن پر لرزہ آتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ کس قسم کا نشان دکھائے گا وہی خدا ہے سوا اس کے اور کوئی خدا نہیں۔ ہاں یہ ہماری طرف سے اس بات کا پختہ عہد ہے کہ جیسا کہ اللہ جلشانہ' نے میرے پر ظاہر کر دیا ہے کہ ضرور مقابلہ کے وقت فتح پاؤں گا۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کس طور سے نشان دکھلائے گا اصل مدعا تو یہ ہے کہ نشان ایسا ہو کہ انسانی طاقتوں سے بڑھ کر ہو۔" (صفحہ ۱۵۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ جواب لکھوانا تھا کہ پادریوں نے ان پیش کردہ بیماروں کو مجلس سے ایسے طور پر غائب کر دیا کہ گویا انہیں زمین نگل گئی۔ اور پادریوں کی یہ ساحرانہ کارروائی بالکل اکارت اور بے فائدہ گئی اور ہمیشہ کے لئے ان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوئی اور خدا تعالیٰ کے جری پہلوان کا سر صلیب کی نمایاں فتح کا موجب بنی۔

الغرض یہ جنگ مقدس جو دجالی گروہ اور مسیح موعود علیہ السلام کے درمیان ہوئی اس نے صلیبی مذہب کو پاش پاش کر دیا اور دلائل و براہین کی رو سے دجال ہمیشہ کے لئے قتل کر دیا گیا۔

اِس مباحثہ کے نتائج

اِس مباحثہ کے خوشگوار نتائج ایام مباحثہ میں ہی ظاہر ہونے شروع ہوگئے۔ چنانچہ مباحثہ میں میاں نبی بخش رفوگر و سوداگر پشمینہ امرتسر اور ہمارے استاد ماہر فقہ و حدیث عالم با عمل حضرت قاضی امیر حسین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوگئے۔ قاضی صاحب جو اُن دنوں مدرسہ اسلامیہ امرتسر میں مدرس تھے ان کے احمدی ہونے سے مولویوں کے گھر میں شور برپا ہوگیا۔

اسی طرح کرنل الطاف علی خان صاحب رئیس کپور تھلہ جو عیسائیت اختیار کر چکے تھے۔ اور بوقت مباحثہ عیسائیوں کی طرف بیٹھے تھے اسلام لے آئے اور عیسائی پادریوں کو یہ معلوم ہوگیا کہ ان کا مدمقابل حضرت مسیح موعود علیہ السلام (دین حق) کا ایک بے نظیر پہلوان ہے' اور جو علم کلام ان کے مذہب کی تردید اور کی تائید میں اس نے پیدا کیا ہے وہ ایک ایسا حربہ ہے جس کے وار سے کسر صلیب کا ہونا ایک یقینی امر ہے۔ پس اس عظیم الشان مباحثہ میں نامور پادریوں کی شکست اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے جس رنگ میں کو زندہ مذہب اور آنحضرت ﷺ کو زندہ نبی اور قرآن مجید کو زندہ کتاب کے طور پر پیش کیا۔ وہ ایسے امور نہ تھے جن سے عیسائی دنیا متاثر نہ ہوتی۔ چنانچہ انگلستان جس کی کئی مشنری سوسائٹیاں پنجاب اور ہندوستان میں کام کر رہی تھیں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

خصوصی انعامات

(پانچویں آل پاکستان صنعتی نمائش منعقدہ ۲۳ تا ۲۵ مارچ ۱۹۹۹ء میں درج ذیل خدام نے خصوصی انعامات حاصل کئے۔ جن کے نام رپورٹ کے ساتھ شائع ہونے سے رہ گئے تھے۔ اب بغرض دعا اور ریکارڈ دوبارہ درج کئے جارہے ہیں۔)

۱۔ مکرم عمران احمد صاحب پشاور ۲۔ مکرم نعمان طاہر صاحب شیخوپورہ ۳۔ مکرم قیصر محمود صاحب کوئٹہ ۴۔ مکرم محمود احمد اجمل صاحب فیصل آباد ۵۔ مکرم رشید احمد صاحب گوجرانوالہ ۶۔ مکرم ایم۔ ایم۔ عاطر صاحب اٹک ۷۔ مکرم ڈاکٹر مبارک احمد صاحب حافظ آباد ۸۔ عزیزم سجیل احمد صاحب ربوہ ۹۔ مکرم ملک عمران احمد صاحب حافظ صاحب ۱۰۔ مکرم سہیل اختر صاحب ڈیرہ غازیخان

جالب کو میں نے دیکھا

(مکرم مسعود احمد دہلوی صاحب۔ سابق مدیر الفضل)

(یہ مقابلہ اردو جرمن کلچرل سوسائٹی فرینکفورٹ کے زیر اہتمام حبیب جالب کی یاد میں منعقد ہونے والے تقریب میں ۱۱ مارچ ۱۹۹۵ء کو پڑھ کر سنایا گیا۔)

حبیب جالب دلی والے نہ تھے لیکن علم و ادب کے معدن میرے مولد و مسکن شہر دہلی سے انہیں ایک نہیں کئی نسبتیں حاصل تھیں۔ سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے ہی انہیں دہلی جانے اور وہاں کئی سال قیام کرنے کا موقع ملا۔ حصول تعلیم کا اکثر و بیشتر زمانہ انہوں نے دہلی میں گزارا۔ پھر تعلیم بھی حاصل کی، اسی مشہور و معروف درس گاہ (یعنی اینگلو عربک ہائی سکول اجمیری گیٹ) میں جس کے طلبائے قدیم میں مجھ ایسا احد من الناس یہ گمنام و احقر الانام بھی شامل ہے۔ ان کی تعلیم سکول کے نامی گرامی ہیڈ ماسٹر حضرت مقصود علی صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی جو بہت مخلص احمدی تھے، کے زیر نگرانی و زیر تربیت پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اس شہر میں ہی جو علم و فن کا گہوارہ اور منتخب و مفتخر اصحاب کمال کا مرکز و صدر مقام تھا ان کی شعر گوئی کی فطری استعداد پروان چڑھی اور وہیں بلوغت کی دلکشی و رعنائی سے ہمکنار ہوئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے اپنا تخلص بھی جو ان کی خاص شناخت اور پہچان کا ذریعہ بنا دہلی ہی کی ایک نابغۂ روز گار شخصیت جناب جالب دہلوی کے نام پر رکھا اور صرف رکھا ہی نہیں بلکہ اختیار کردہ اس نام کی لاج رکھتے ہوئے دنیا میں نام پیدا کر کے دکھایا اور دکھایا بھی اپنے فن اور اس کے مخصوص تیکھے پن کا لوہا منوا کر۔ ان گہری نسبتوں اور وابستگیوں کی وجہ سے ہی وہ دہلی کو اپنا گھر سمجھتے اور اس کی یاد میں آنسو بہاتے رہے۔ چنانچہ عروس البلاد اس شہر شاہ جہاں آباد کی یاد میں انہوں نے جو یادگار نظم کہی وہ اس حقیقت پر گواہ ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دیار داغ و بیخود! شہر دہلی چھوڑ کر تجھ کو
نہ تھا معلوم یوں روئے گا دل شام و سحر تجھ کو
جو تیرے غم میں بہتا ہے وہ آنسو اشک گوہر ہے
سمجھتے ہیں متاع دیدہ و دل دیدہ ور تجھ کو
میں "جالب دہلوی" کہلا نہیں سکتا زمانے میں
مگر سمجھا ہے میں نے آج تک اپنا ہی گھر تجھ کو

اس نسبت خاص کی بناء پر میں حبیب جالب کو دہلوی نہ سہی اپنا ہم شہر اور ہم وطن سمجھتا ہوں۔ لیکن عجب اتفاق ہے کہ جب وہ دہلی میں تھے تو مجھے انہیں دیکھنے کا کبھی موقع نہ ملا۔ سچ بات یہ ہے کہ اس زمانے میں تو مجھے ان کے وجود کی ہی خبر نہ تھی۔ شہر کی لاکھوں کی آبادی میں تھے تو وہ بھی شامل لیکن ابھی نامی گرامی نہ بنے تھے۔ بس میری طرح کے ایک عامی ہی تھے۔ اور اسی طرح گمنام و بے خبر تھے جیسا کہ آج تک ہوں۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان کے لئے بڑا بننا مقدر تھا لیکن قدرت کو منظور یہ تھا کہ جالب بڑا اور نامور بن کر گدڑی میں لعل کی طرح زندگی بسر کرے اور گدڑی پوش ہونے کے باوجود دنیا والوں کی نگاہوں سے روپوش نہ ہونے پائے۔ اس کی آواز صدائے چنگ کی طرح غریب و نادار محنت کشوں اور مفلوک الحال فاقہ زدوں کے لئے تو فردوس گوش کا سامان مہیا کرے اور باہیں ہمہ دوسری جانب نشہ اقتدار میں مدہوش رہنے والے اچھے اچھوں کے ہوش اور چھکے چھڑاتی رہے۔ قفس میں اس کی آر جار لگی رہے لیکن لگی رہے اس شان کے ساتھ کہ جب بھی اسے سلاخوں کے پیچھے دھکیلا جائے قفس کی تنگنائی میں اس کا

خرام ناز اور فقر و غنا کا طمطراق محلات میں رہنے والے صیادوں کی نیندیں حرام کرتا رہے۔

قیام پاکستان کے بعد جب حبیب جالب کا نام اپنے پر اثر کلام کی وجہ سے مشہور ہی نہیں بلکہ زبان زد عام ہونا شروع ہوا تو اپنے ساتھ عوام کی طرح ان کے نام اور کلام نے مجھے بھی اپنی طرح کھینچا۔ جالب کے کلام کو اس کے نام کے عین مطابق میں نے بہت پر کشش پایا۔ رسائل و اخبارات میں میں جستہ جستہ ان کا کلام پڑھتا اور سر دھنتا رہا۔ کلام کے دو ایک چھوٹے چھوٹے مجموعے بھی نظر سے گزرے۔ ایک سیاسی جلسہ میں بہت دور سے انہیں لحن داؤدی میں اپنے کلام اور آواز کا جادو جگاتے بھی دیکھا۔ نیز بعض اخباروں اور کتابوں میں ان کے چہرے مہرے کے عکس پر بھی نظر پڑی۔ لیکن سال پر سال گزرتے اور ماضی کے دھندلکوں میں روپوش ہوتے چلے گئے عرصہ دراز تک انہیں قریب سے دیکھنے کی نوبت نہ آئی۔ قدرت کو یہی منظور تھا کہ جب زمانے کی ایک انوکھی اور نرالی کروٹ کے طفیل میں بھی قید و بند کے چکر میں جا پھنسوں اور زندانیوں کے زمرے میں شامل ہونے کے قابل سمجھا جانے لگوں تو ایک روز عدالت عالیہ کے احاطہ میں نامی گرامی زندانی جناب حبیب جالب کی زیارت سے بہریاب ہوں۔ جس حال میں میں نے انہیں دیکھا اس کے مطابق ایک لحاظ سے ہم دونوں کے حال احوال میں ایک گونہ مماثلت پیدا ہو چکی تھی۔ وہ اپنے سیاسی نظریات کی وجہ سے اور میں اپنے دینی نظریات کی وجہ سے' دونوں قید و بند کے سزاوار گردانے جا رہے تھے۔ حاشا و کلا دونوں ہی کسی اخلاقی جرم کے نہیں محض اور محض ضمیر کے قیدی تھے۔ قدرت نے دونوں کو ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں لاہور کی عدالت کے احاطہ میں کھینچ بلایا۔ انہیں ایک اور منصف کی عدالت میں پیشی دینا تھی اور میں ایک دوسرے منصف کی عدالت میں پیشی بھگتنے یا بھگتانے آیا ہوا تھا۔ وہ اپنے وکیلوں اور مداحوں کے جھرمٹ میں تھے اور میں کچھ فاصلہ پر اپنے وکیلوں اور ہم خیال لوگوں میں گھرا ہوا اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔ اس ماحول میں حبیب جالب کو دیکھ کر میری عجیب حالت ہوئی۔ دو پرانے ہم شہر دو ملزموں کی صورت میں درمیانی فاصلہ کے باوجود ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے۔ الزام میں پائی جانے والی بنیادی یکسانیت کی وجہ سے میرے اندر پیدا ہونے والے اپنائیت کے جذبہ بیکراں نے مجھے دور ہونے کے باوجود حبیب جالب کے قریب کر دیا۔ بات کرنے کی نوبت تو نہ آئی لیکن شاعر رنگین نوا کو جو بیک وقت بدنام بھی تھا اور نیک نام بھی چند لمحوں کے لئے قریب سے دیکھنے کا موقع مل گیا۔ اس کا سراپا' اس کا حلیہ اور اس کے چہرے پر صداقت شعاری کا وقار' بے انداز رعب اور دبدبہ کا آئینہ دار تھا۔ وہ مجھے گدڑی میں چھپا ہوا ایک لعل نظر آیا اور لعل بھی وہ جو واقعی لعل بے بہا تھا۔ وہ لعل بے بہا ملگجی قمیض اور بوسیدہ شلوار میں ملبوس پیروں میں ہوائی چپل پہنے ننگے سر ایک عجب شان استغناء سے کھڑا ہوا میں گھور رہا تھا۔ جیسے دماغ میں اٹھنے والے افکار کے تانے بانے بن رہا ہو۔ اور یوں سمجھ رہا ہو کہ اس زمانہ کا نظام سرمایہ داری بڑے بڑوں کی سرداری اور اسی طرح حاکموں کا جلال شاہی اور اس کا سب کر و فر بے وقعت و بے حیثیت ہے' آج ہے تو کل نہ دارد۔ یوں محسوس ہوا کہ گویا وہاں صداقت شعاری و خود داری' بے خوفی و بے باکی اور جرات و بہادری کا ایک حسین مجسمہ نصب ہے۔ زمانے اور ادلتی بدلتی رتوں کے اثرات نے اس کے رنگ کو تو کجلا دیا ہے لیکن زمانے کی بے رحم کروٹیں اور انگڑائیاں اس کی دلربائی و رعنائی کا کچھ بھی تو نہیں بگاڑ سکیں۔ وہ اپنے باطنی اوصاف کی جلوہ آرائی کی وجہ سے ان معمولی و ملگجے کپڑوں اور جھلسے ہوئے رنگ میں بھی بہت حسین نظر آ رہا تھا۔ اسے اپنے خوش پوش اور جانثار مداحوں میں اس شان استغناء سے کھڑا دیکھ کر میرے دل نے گواہی دی کہ واقعی اس حلیہ' اس رنگ ڈھنگ اور اس والہانہ ترنگ کا ایسا ہی ملنگ شاعر جاگیرداروں' صنعت کاروں اور ایوان حکومت میں بصد تمکنت براجمان ہونے والے

آمروں کو مخاطب کر کے انہیں ڈنکے کی چوٹ اور بانگ دہل کھری کھری سنا سکتا ہے۔ اس وقت موقع کی مناسبت سے یکدم میرے ذہن میں اس بے باک و نڈر شاعر غیرت مند کی آواز گونجی۔

یہ منصف بھی تو قیدی ہیں ہمیں انصاف کیا دیں گے
لکھا ہے ان کے چہروں پر جو ہم کو فیصلہ دیں گے
ہمیں تو شوق ہے اہل جنوں کے ساتھ چلنے کا
نہیں پرواہ ہمیں یہ اہل دانش کیا سزا دیں گے
ہمارے قتل پر جو آج ہیں خاموش کل جالب
بہت آنسو بہائیں گے بہت داد وفا دیں گے

اور پھر وہ اپنے سیاسی مسلک کے متعلق مجھے یہ کہتا سنائی دیا۔

نہ خوف زنداں نہ دار کا غم یہ بات دہرا رہے ہیں پھر ہم
کہ آخری فیصلہ وہ ہوگا جو دس کروڑ آدمی کریں گے
ستم گروں کے ستم کے آگے نہ سر جھکا ہے نہ جھک سکے گا
شعار صادق پہ ہم ہیں نازاں جو کہہ رہے ہیں وہی کریں گے

اس بے خوف و نڈر صادق شعار کوہ وقار انسان یعنی جالب شیریں بیان کو اس حلیہ اور حال میں دیکھنے اور چہرہ پر عیاں اس کے عزم مصمم اور کہیں رکے بغیر قدم بہ قدم آگے بڑھنے اور بڑھتے چلے جانے کے حوصلہ غیر مختتم کا بچشم خود مشاہدہ کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ مجھ میں کلام جالب کی روح اور اس میں سموتے ہوئے جذبہ کو سمجھنے اور اس کی کنہ تک پہنچنے کا یکسر ایک نیا شعور پیدا ہوئے بغیر نہ رہا۔ چنانچہ از سرنو اس کے کلام کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے سے ایک نئی لذت اور نئی طمانیت کا احساس بڑی شدت سے ابھرتا چلا گیا اور اس مرد جری کی عظمت دل میں جاگزیں ہوتی چلی گئی۔

کلام جالب کے بالاستیعاب مطالعہ کے دوران میں اس سوچ میں ڈوب ڈوب گیا کہ جالب نے ہر دور اور ہر حال میں پوری بامردی سے صداقت شعاری اور حق گوئی کا جو راستہ اپنایا ہے وہ بہت ہی کٹھن راستہ ہے اور مسلسل جانگسل حالات میں سے گزرے اور قربانیوں پر قربانیاں دیئے بغیر اس پر گامزن ہونا ممکن نہیں ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ جالب بڑی بہادری اور بڑے ہی استقلال سے اس راہ میں قربانیاں دیتا چلا آ رہا ہے۔ وہ خود بھی مصائب پر مصائب جھیل رہا ہے اور اس کے اہل و عیال بھی مصائب کی چکی میں پس رہے ہیں۔ دوران مطالعہ میں جہاں جالب کو دیکھنے میں جسے اس نے اپنے خاکستر سے خود پیدا کیا تھا ایسا محو اور مبہوت ہوا کہ جوں جوں آگے بڑھتا گیا سر احتراماً جھکتا چلا گیا۔ جیل خانہ عرصہ دراز تک بایں معنی اس کا مستقل ٹھکانہ بنا رہا کہ وہ عارضی وقفوں کے لئے باہر آتا اور اپنے افکار تازہ کی مچائی ہوئی ہلچل کے نتیجہ میں پھر اسی زندانی ٹھکانے پر واپس جا پہنچتا۔ اس کی زندگی اور اس کا شعار گواہ ہے کہ واقعی اس کا یہ کہنا بہت بڑی صداقت پر مبنی ہے۔

سچ کہہ کے کسی دور میں پچھتائے نہیں ہم
کردار پہ اپنے کبھی شرمائے نہیں ہم
زنداں کے در و بام ہیں دیرینہ شناسا
پہنچے ہیں سر دار تو گھبرائے نہیں ہم

وہ دھن کا پکا اور قول کا سچا یہ کہہ کہہ کر بار بار اپنے اس فرض کو دل ہی دل میں دہراتا اور اسے ہر بار عملاً پورا کر دکھاتا رہا۔

ہے فرض تجھی پر ہر اک عہد میں جالب
آلام اٹھائے جا زباں اپنی نہ کر بند

دو باتیں ایسی تھیں کہ جنہیں دیکھ دیکھ کر جالب کا دل خون ہو ہو جاتا تھا اور وہ اندر ہی اندر کھول اٹھتا تھا۔ ایک یہ کہ آزادی ملی بھی تو برائے نام۔ اس پر مستزاد یہ کہ چند مالدار گھرانوں اور گنے چنے قدیمی زردار طبقوں نے معیشت پر چھا کر غریب عوام کا جینا پہلے سے بھی زیادہ دوبھر کر دیا۔ ذرا وطن عزیز میں موجودہ صورت حال کا نقشہ ذہن میں لائیں اور پھر دیکھیں کہ جالب موجودہ دہشتناک دور کا کیسا مبنی بر حقیقت اور ہو بہو صحیح نقشہ کھینچ گیا ہے۔

دیواروں میں سہمے بیٹھے ہیں کیا خوب ملی ہے آزادی
اپنوں نے بہایا خوں اتنا، ہم بھول گئے بیگانوں کو
اک اک پل ہم پر بھاری ہے، دہشت تقدیر ہماری ہے
گھر میں بھی نہیں محفوظ کوئی باہر بھی ہے خطرہ جانوں کو
غم اپنا بھلائیں جا کے کہاں ہم ہیں اور شہر آہ و فغاں
ہیں شام سے پہلے لوگ رواں اپنے اپنے غم خانوں کو
نکلیں کہ نہ نکلیں ان کی رضا بندوق ہے ان کے ہاتھوں میں
سادہ تھے بزرگ اپنے جالب گھر سونپ گئے دربانوں کو

دوسری بات جو اندر ہی اندر کھولنے والے جالب خستہ کو بہت کھلتی تھی اور جس کے خلاف اس نے بہت کھل کر آواز اٹھائی وہ یہ تھی کہ اپنی سوجھ بوجھ، علم و دانش اور آگہی و شعور کی وجہ سے جن طبقوں پر اصلاح احوال کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی وہ حالات سے سمجھوتہ کر کے اپنے اپنے ذاتی مفادات کی پاسداری میں لگ گئے اور اس کوشش میں اتر آئے زرداروں اور آمروں کی کاسہ لیسی اور قیصدہ خوانی پر۔ بجائے اس کے کہ وہ ان صاحب اختیار طبقوں کو ان کی لوٹ کھسوٹ پر ٹوکتے خود ان کی جناب میں جھکتے اور ان کے آگے بچھتے چلے گئے اور لگے ان کی ہاں میں ہاں ملانے وہ وظیفوں، الاٹمنٹوں، غیر ملکی دوروں اور حسن کارکردگی کے تمغوں کے پیچھے بھاگتے اور اس طرح اپنے بھاگ جگاتے رہے۔ جالب کے نزدیک اصلاح احوال کے لئے آواز اٹھانے کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی شاعروں، ادیبوں، صحافیوں، دانشوروں اور علماء حضرات پر۔ جالب کو دکھ اس بات کا تھا کہ سمجھ بوجھ رکھنے والے ان طبقوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جنہوں نے نہ صرف اس فرض کی ادائیگی میں غفلت برتی بلکہ اپنے فن، علم و آگہی اور اثر و رسوخ کو آمروں کی خدمت کیلئے وقف کر کے خوب خوب دولت سمیٹی اور بہت ہی کمزور، بودے اور عارضی سہاروں کے ذریعہ اپنا قد اونچا کرنے کی کوشش کی۔ جالب کی نگاہ میں ایسے صاحبان علم و فن اتنے ہی مجرم تھے جتنے ان سے غلط کام لے کر انہیں نوازنے والے زردار اور آمر مجرم تھے۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ یہ سب لوگ آمروں کے اشاروں پر قوم میں افتراق کے بیج بوتے اور عوام کو باہم ایک دوسرے سے دست و گریباں ہونے پر ابھار کر ان کے حقوق غصب کرتے ہیں آمروں کے مدد و معاون ثابت ہوتے رہے۔

اس نے ایک موقع پر کہا۔

جن کو جہاں کا غم ہے وہ معدود چند ہیں
ورنہ تمام اپنی ترقی پسند ہیں
دشت وفا میں ساتھ ہمارے وہ کیوں چلیں
ناداں نہیں ہیں یار بڑے ہوشمند ہیں

اور پھر ایک اور موقع پر ایسے شاعروں اور ادیبوں اور دانشوروں پر خدا سے رحم کی اپیل کرتے ہوئے کہا۔

ثنا خواں اب بھی ہیں جو قاتلوں کے
خدایا رحم ان دانش وروں پر

نیز ایسے شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں کو ہوش دلانے کے لئے خبردار کرتے ہوئے کہا۔

اس دور کے ممتاز ادیبوں کو بتا دو
تاریخ میں شاہوں کے ثنا خواں نہ رہیں گے

اس کے بالمقابل جالب نے فیض احمد فیض سے فیضیاب ہو کر خود انہی کی روایت کو عوامی سطح پر آگے بڑھاتے ہوئے جابروں اور آمروں کے روبرو ہمیشہ سچ بات کہنے اور اس کی خاطر ہر دکھ اور ہر مصیبت سہتے اور سہتے سہتے چلے جانے کا انتہائی کٹھن راستہ اختیار کیا اور زندگی کے آخری سانس تک کمال پامردی سے اس پر گامزن ہو کر دکھایا۔ اس کے بعض تنعم پسند ساتھی شاعروں ادیبوں نے اسے فقر و فاقہ کی جانگسل سختیوں سے ڈر کر اپنا مسلک بدلنے کی ترغیب بھی دلائی لیکن وہ اپنے مسلک پر ڈٹا رہا اور یہ کہہ کر ان کا منہ بند کرتا رہا۔

لاکھ کہتے رہیں ظلمت کو نہ ظلمت لکھنا
ہم نے سیکھا نہیں پیارے بہ اجازت لکھنا
نہ صلے کی نہ ستائش کی تمنا ہم کو
حق میں لوگوں کے ہماری تو ہے عادت لکھنا

ہم نے جو بھول کے بھی شہ کا قصیدہ نہ لکھا
شاید آیا اسی خوبی کی بدولت لکھنا
کچھ بھی کہتے رہیں کہیں شہ کے مصاحب جالب
رنگ رکھنا یہی اپنا اسی صورت لکھنا

جالب نے اپنے اس چلن کو آخر دم تک نبھا کر دکھایا۔ مصائب اٹھاتا اور سختیاں جھیلتا رہا اس نے اپنے پایہ ثبات میں ذرا سی بھی لغزش نہ آنے دی۔ اس حال میں بھی وہ خوش تھا اور یہ کہہ کہہ کر اپنی خوشی کا اظہار کرتا رہا۔

اہل ستم کے حلقہ بگوشوں میں ہم نہیں
صد شکر ان ضمیر فروشوں میں ہم نہیں

اپنے اس چلن اور بانکپن کی وجہ سے ہی جالب کا فن اپنے کمال کو پہنچا اور اس کی شہرت عام ہوتی چلی گئی۔ اسے اپنی اس شہرت کا احساس تھا اسی لئے اس نے کہا۔

وفا کی ہے سدا اہل جنوں سے
نہیں حاصل ہوئی شہرت یونہی تو

اس احساس کے ساتھ ساتھ وہ اس یقین سے بھی پر تھا کہ جہاں شاہوں اور آمروں کے زلہ خوار گمنامی کے اندھیروں میں گم ہوئے بغیر نہ رہیں گے وہاں اس کی شہرت عام کو بقائے دوام ضرور نصیب ہوگی۔ اسی لئے اس نے عوام کے حقوق غصب کرنے والے شاہوں آمروں اور ان کی ہاں میں ہاں ملا کر داد پیش پانے والے قلمکاروں کو مخاطب کر کے کہا۔

جو دیکھتا ہوں جو سچ ہے کروں گا وہ تحریر
متاع ہر دو جہاں بھی نہیں بہائے ضمیر
نہ دے سکے گی سہارا تمہیں کوئی تدبیر
فنا تمہارا مقدر، بقا میری تقدیر

پھر اس کی ایک خود کلامی بھی اسی حقیقت کو بہت پر عزم انداز میں دہرا رہی ہے۔ اس نے خود اپنے آپ سے مخاطب ہو کر جو بات دل ہی دل میں کہی وہ زبان پر آئے بغیر نہ رہی۔

جان ہے کیا شے آن کے آگے
انسان کیا جو غم سے بھاگے

ہر دکھ سہہ جا، دل کی کہہ جا
گیت یہ جگ تیرے گائے گا

اور آخر میں اس جہان فانی کے عارضی آشیانے سے اس جہان کے دائمی ٹھکانے کی طرف پرواز کرتے کرتے پیش خبری کے رنگ میں وہ یہ بھی کہہ گیا۔

ہمارے ذکر سے خالی نہ ہوگی بزم کوئی
ہم اپنے ذہن کی وہ باس چھوڑ آئے ہیں

جالب کے وطن سے سات سمندر پار ہزار ہا میل دور جرمنی کے شہر فرینکفورٹ میں سجائی جانے والی یہ بزم آج اس کے ذکر سے معمور ہے۔ اور اس کے ذہن رسا کے افکار کی نمو سے کھلنے والی خوش رنگ پھولوں کی خوشبو سے مہک رہی ہے۔ اور بعد میں بھی اس کی یاد میں منعقد ہونے والی ہر مجلس اس کے ذکر اور افکار کی بوباس اور خوشبو سے اسی طرح مہکتی رہے گی اور اس دور ظلم جور کے باضمیر و باکردار شاعر کے سدا بہار کلام سے گونجتی رہے گی اور یہ جگ اس کے گیت گاتا اور اس کی یاد پر محبت و عقیدت کے پھول نچھاور کرتا رہے گا اور اس طرح یہ حقیقت دنیا پر بار بار آشکار ہوتی رہے گی۔

صلہ "ضمیر" کیا ہے حیات جاودانہ

الفضل روم کولر

فون :۔ ۵۱۱۴۸۲۲
۵۱۱۸۰۹۶

جستی، سٹین لیس سٹیل، لائف ٹائم گارنٹی کے ساتھ
جو کمرے کو A/C کی طرح ٹھنڈا کرے
عمر بھر آپ کا ساتھ دے!
مختلف سائزوں میں دستیاب ہیں
آپ کے گھر جگہ وغیرہ دیکھ کر جگہ کی مناسبت
سے کولر تیار بھی کیا جا سکتا ہے۔
فون کریں الفضل روم کولر کا نمائندہ
حاضر ہو جائے گا
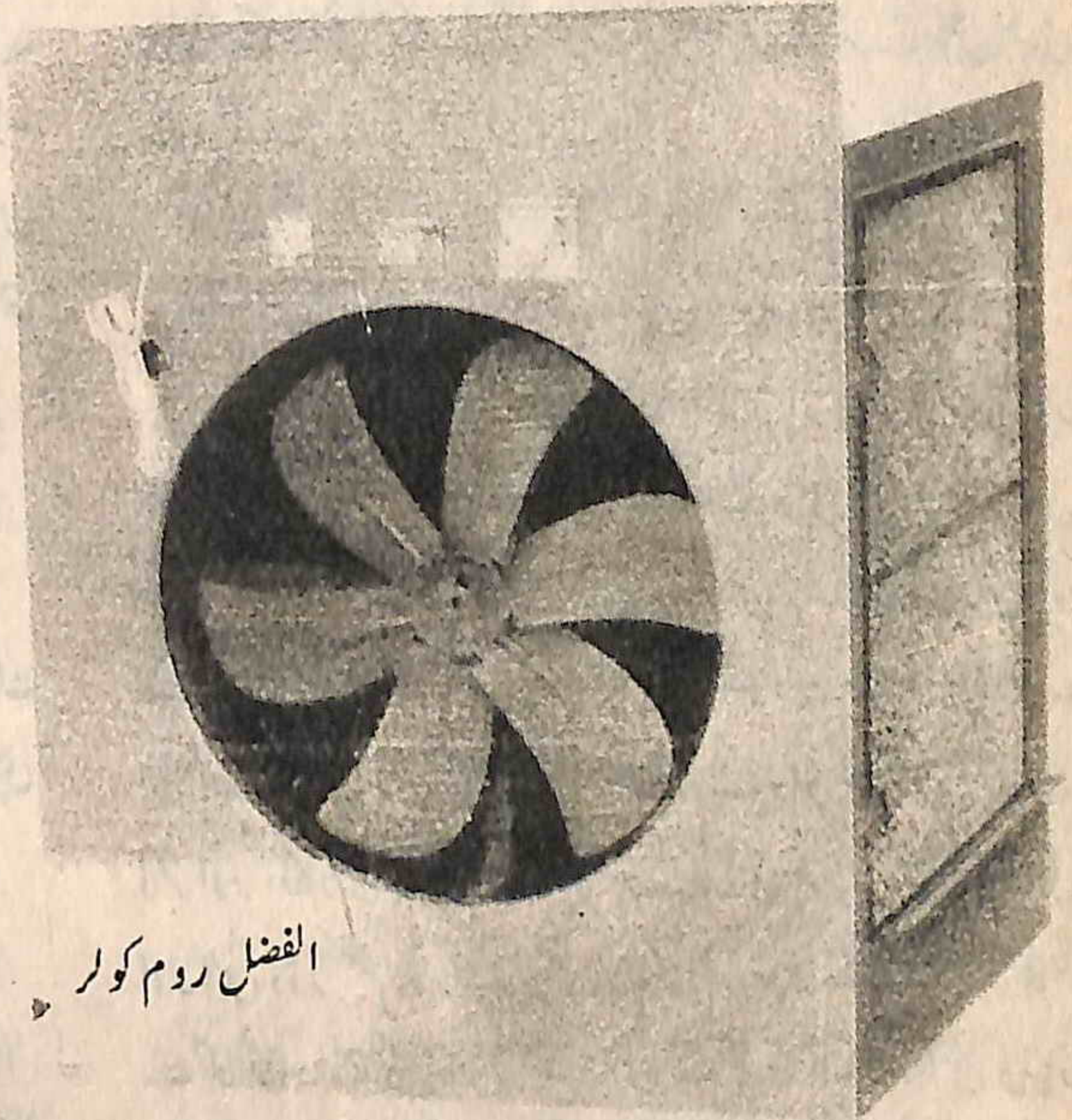
الفضل روم کولر

بلور والے کولر بھی تیار کئے جاتے ہیں

نوٹ :۔ پرانے کولروں کی ریپئرنگ اور پرانے کولروں کو نئے کولروں کے ساتھ تبدیل بھی کیا جا سکتا ہے۔

ڈیلر :۔ پاک فین۔ رائل فین۔ ایشیا فین۔ یونس فین۔ لاہور فین۔ سیکو پمپ موٹر سنگل فیز۔ تھری فیز اور گیس کے آلات۔

الفضل الیکٹرونکس

265-B/16 وَن کالج روڈ
نزد اکبر چوک، ٹاؤن شپ، لاہور

بسلسلہ سیرت صحابہؓ

(۴)

(قسط 2)

آخری ستارہ

سیرت و سوانح شیرِ خدا حضرت علیؓ

(تحریر فرید احمد نوید صاحب۔ استاد جامعہ احمدیہ)

خلفائے ثلاثہ کے دور میں خدمات

آنحضرت ﷺ کی وفات ایک عظیم سانحہ تھا جس نے مسلمانوں کی دنیا اندھیر کر دی تھی۔ ماں باپ سے بڑھ کر محبت اور شفقت کرنے والا راہنما ان سے جدا ہو چکا تھا۔ وہ راہنما جس نے ان بکھرے ہوئے دلوں کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا وہ جس کے دل میں سب انسانیت کا دل دھڑکتا تھا۔ وہ پیارا وجود آج مسلمانوں کو الوداع کہہ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملا تھا۔ یہ بہت دشوار وقت تھا جس میں بہت سے خطرات منہ کھولے کھڑے تھے۔ غم اور خوف کا ایک عجیب عالم تھا جس نے ذہنوں کو ماؤف کر دیا تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس عظیم ذمہ داری کیلئے چن لیا۔ تمام مسلمانوں نے اتفاق رائے سے آپ کو اپنا خلیفہ تسلیم کیا اور آپ کی بیعت کی۔ حضور اکرم ﷺ کی پیشگوئی کے مطابق نظام خلافت قائم ہو گیا اور مسلمان ایک مرتبہ پھر ایک لڑی میں پرو دیئے گئے۔ حضرت علیؓ اس دور میں بھی جانثاروں کی طرح نظام خلافت کے ساتھ چمٹے رہے اور محبت اور اطاعت کے اعلیٰ نمونے دکھائے۔

دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کے ساتھ تعلق اخوت اور اطاعت کے ساتھ ساتھ آپ کی رشتہ داری بھی قائم ہو گئی تھی کیونکہ آپ کی صاحبزادی حضرت "ام کلثوم" کی شادی حضرت عمرؓ کے ساتھ ہوئی تھی۔ یوں یہ محبت دو چند ہو گئی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بھی آپ ایک وفادار ساتھی کے طور پر آپ کے ساتھ ساتھ موجود رہے۔ اور تمام اہم معاملات کی مشاورت میں آپ کا ساتھ دیتے رہے۔ یہ دور یونہی چل رہا تھا اور اسلامی سرحد فتوحات پر فتوحات حاصل کرتی ہوئی وسعت اختیار کرتی چلی جا رہی تھی۔ مسلمانوں کو روحانی اور جسمانی فتوحات اس کثرت سے حاصل ہو رہی تھیں کہ باوجود تمام ترکوشش اور جدوجہد کے وہ ان دونوں پہلوؤں سے ان کو سنبھالنے کا پورا پورا انتظام نہ کر پا رہے تھے۔ تربیت یافتہ صحابہ کی تعداد فوج در فوج اسلام قبول کرنے والوں کے مقابل پر بہت کم تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کے ایک حصہ میں کمزوری پیدا ہو گئی تھی۔

دوسری طرف اسلام کے دشمن جو ابتداء سے اب تک یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ وقتی تحریک جلد از جلد مٹ جائے گی اور مسلمان نابود ہو جائیں گے۔ اب خلفاء راشدین کے دور میں ملنے والی عظیم فتوحات سے گھبرا اٹھے تھے۔ وہ جو یہ سمجھتے تھے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے وصال کے ساتھ ہی یہ شیرازہ بکھر جائے گا اب اس کم فہمی پر سٹپٹا رہے تھے۔ مدینہ آنے والی روز کی خبریں نئی فتوحات کی خوشخبریاں لا رہی تھیں جن سے دشمنوں

کی گھبراہٹ اور بے قراری میں اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا۔ وہ یہ بات سمجھ چکے تھے کہ جنگ کے میدان میں مسلمانوں کو شکست دینا ممکن نہیں ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے مسلمانوں میں شامل ہو کر دھوکے اور فریب سے اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس سلسلے میں ان کا پہلا شکار وہ مسلمان بنے جو تازہ تازہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور ابھی تربیت کے ان مراحل سے نہیں گزرے تھے جو مسلم کو مومن بنانے کیلئے درکار ہوتے ہیں۔ ان نو مسلموں میں سے ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جو صرف اسلام کی شان و شوکت اور فتوحات کو دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کیا ہے اس کی تعلیمات کیا ہیں اس کے تقاضے کیا ہیں؟ ان سب باتوں سے بے خبر تھے۔ چنانچہ یہ لوگ مفسدوں اور باغیوں کے گھیرے میں آگئے اور بڑی آسانی سے ان کا ساتھ دینے کیلئے تیار ہو گئے۔ یوں ایک بہت بڑا فتنہ کھڑا ہو گیا جس نے بالآخر بغاوت کا رنگ اختیار کر لیا اور عبداللہ بن سبا جو اس فتنے کا بانی تھا اس کی سرکردگی میں مدینہ پر حملہ کر کے خلافت کے بابرکت نظام کو مٹانے کی ناپاک کوشش کی گئی۔ یہ لوگ نظام خلافت کو تو نہ مٹا سکے تاہم ایک معصوم اور پاک وجود حضرت عثمانؓ کو ضرور شہید کر دیا۔

حضرت علیؓ ان خطرناک ایام میں مدینہ میں ہی موجود تھے۔ اور خلافت اسلامیہ کے ایک جانثار کے طور پر اس بغاوت کو کچلنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ ان مفسدوں کی کارروائیوں کے خلاف ہونے والے مشوروں میں حضرت علیؓ سرفہرست تھے۔ آپ نے ان ایام میں ہر دوسرے کام کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ اور باوجود خطرناک حالات کے آپ اس بات کیلئے کوشاں تھے کہ کس طرح خلیفہ وقت کو ان باغیوں کے تسلط سے آزاد کروا سکیں۔ جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا تو آپ دن رات اس فکر میں رہتے کہ کس طرح اپنے پیارے آقا کو پہنچنے والی تکالیف کو دور کریں۔ ایک مرتبہ اس محاصرے کے دوران حضرت عثمانؓ کے گھر پانی پہنچنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو آپ حضرت طلحہؓ پر جن کے سپرد یہ کام تھا سخت ناراض ہوئے اور اس وقت تک آرام نہ کیا جب تک حضرت عثمانؓ کے گھر میں پانی نہ پہنچ گیا۔ ایک طرف خدمت کا یہ عالم تھا تو دوسری طرف آپ باغیوں سے بات چیت کر کے اس مسئلے کو حل کرنے کیلئے کوشاں تھے باوجود اس کے باغیوں کی طرف سے بہت سختی برتی جا رہی تھی۔ آپ نے اپنے امام کی خاطر اپنی عزت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے باغیوں سے بات چیت کی۔ انہیں سمجھایا اور صاف صاف بتایا کہ تم کیسے لوگ ہو جو خود کو مومن کہتے ہو لیکن حرکتیں کفار سے بھی بدتر کر رہے ہو۔ اس محاصرے کو ختم کرو اور بات چیت کے ذریعے سے اپنے مطالبات پیش کرو۔ عبداللہ بن سبا اور اس کے چیلوں نے آپ کی اس نصیحت کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور بڑی بے باکی سے آپ کی باتوں کو رد کر دیا۔ لیکن ان واقعات کے باوجود آپ نے قدم پیچھے نہ ہٹایا اور پوری دلیری اور استقامت کے ساتھ اپنے امام کی مدد اور نصرت کیلئے کوشش کرتے رہے۔

انہی ایام میں باغیوں کے ایک گروہ نے آپ سے ملاقات کی اور یہ خواہش کی کہ اگر آپ خلافت سنبھالنے کا وعدہ کریں تو ہم حضرت عثمانؓ کو معزول کر کے آپ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے اس پیشکش کو نفرت کے ساتھ دھتکارتے ہوئے نہایت غیرت سے ان لوگوں کو رد کر دیا اور بہت سخت الفاظ میں ان لوگوں پر لعنت ڈالی اور فرمایا۔ "خدا تمہارا برا کرے تم واپس چلے جاؤ" ایک ایسے وقت میں جب مدینہ باغیوں کے زیر تسلط تھا اور یہ لوگ اپنی طاقت کے زعم میں جو چاہتے تھے کرتے پھرتے تھے ان لوگوں کو اس نفرت اور سختی سے دھتکارنا آپ ہی کا عظیم خلق تھا۔ آپ ان لوگوں کی طاقت اور بدفطرتی سے آگاہ تھے لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ وفادار علیؓ اپنے امام کا ساتھ چھوڑ کر اس کے دشمنوں کی بات کو قبول کر لیتے اور اس راہ کو چھوڑ دیتے جس پر آپ کے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آپ کو گامزن کر گئے تھے۔ آپ جان تو

دے سکتے تھے لیکن غداروں کی بات قبول کرنا آپ کے لئے ممکن نہ تھا۔

جب یہ معاملات حد سے بڑھنے لگے تو آپ نے حضرت عثمانؓ کی حفاظت اور خدمت کیلئے اپنے دونوں بیٹے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ آپ کے گھر بھجوا دیئے۔ اس خیال سے کہ اگر باغی حملے کی کوشش کریں تو یہ مجاہد اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرتے ہوئے اپنے امام کی حفاظت کریں۔ لیکن یہ سب کوششیں اس منظر کو تبدیل نہ کر سکیں جو تقدیر الٰہی طے کر چکی تھی۔ آپ کی سب مساعی کے باوجود باغیوں کو اس بات کا موقعہ مل ہی گیا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے گھر میں دیوار پھلانگ کر داخل ہوئے اور آپ کو شہید کر دیا۔ اور صرف اس شہادت پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ بڑی بے خوفی کے ساتھ تین دن تک آپ کی تدفین کی بھی اجازت نہ دی۔ بیت المال کو لوٹ لیا گیا اور مدینہ پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔ بہت سے لوگ قتل کر دیئے گئے اور پانچ روز تک ایسا خوفناک عالم رہا کہ کسی کو کچھ سمجھ نہ آتا تھا کہ کیا کرے۔ بہت سے لوگ یہ کیفیت دیکھ کر مدینہ چھوڑ گئے تھے اور جو باقی بچے وہ اپنے گھروں میں بند ہو گئے تاکہ باغیوں کے ظلم و ستم سے محفوظ رہ سکیں۔

بار خلافت

دوسری طرف باغی اس ساری کارروائی کے بعد اب اندر سے خوفزدہ بھی تھے کہ اگر باہر سے کمک آگئی تو ان کے ساتھ بہت برا سلوک ہوگا اسی بناء پر اب انہوں نے معاملات کو سمیٹنا شروع کیا اور اپنی مرضی کے کسی آدمی کو خلیفہ مقرر کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ ان کی یہ کوشش ایک مرتبہ پھر بری طرح ناکام ہو گئی کیونکہ صحابہ میں سے کوئی اس بات پر تیار نہ تھا کہ وہ ان ذلیل لوگوں کا خلیفہ اور امام بنے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو دکھ پہنچائے ہیں اور شہید کیا ہے۔ یہ لوگ باری باری حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس گئے اور گزشتہ معاملات پر شرمندگی کا اظہار کر کے اس بات پر اصرار کیا کہ منصب خلافت سنبھال لیں۔ لیکن ان تینوں بزرگ صحابہ نے بڑی نفرت کے ساتھ ان لوگوں کو دھتکار دیا۔ اور صاف کہہ دیا کہ وہ ان قاتلوں کا خلیفہ بننا پسند نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف عام مسلمان اور مدینہ کے لوگ بھی ان تینوں بزرگوں کے علاوہ اور کسی کو شاید خلیفہ تسلیم نہ کرتے اس لئے باغی شدید مشکل میں پڑ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ جلد از جلد خلافت کا تقرر کروانے سے انہیں کسی حد تک مہلت مل جائے گی اور وہ اس غضب سے بچ جائیں گے جو ان کے خلاف تیار ہو چکا تھا۔ لہٰذا اب انہوں نے ایک مرتبہ پھر اس معاملے میں اپنی فطری کمینگی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ اعلان کر دیا کہ اگر دو دن کے اندر اندر کوئی فیصلہ نہ کیا گیا تو ہم علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور مدینہ کے تمام بڑے بڑے لوگوں کو قتل کر دیں گے۔

یہ اعلان محض دھمکی نہ تھا کیونکہ اہل مدینہ دیکھ چکے تھے کہ یہ لوگ کیسے ظالم ہیں۔ چنانچہ وہ اکٹھے ہو کر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ آپ اس منصب کو سنبھال لیں۔ آپ جو موجودہ حالات سے واقف تھے۔ اسی بناء پر آپ نے فرمایا کہ "یہ بوجھ مجھ سے نہیں اٹھ سکتا" باغیوں کی دھمکیاں چونکہ جاری تھیں اس لئے یہ لوگ دیگر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سب سے بھی یہی درخواست کی کہ کسی طرح امت کا شیرازہ بکھرنے سے بچا لیں اور منصب خلافت قبول کر لیں لیکن تمام بزرگ صحابہ میں سے کوئی بھی اس مشکل خدمت پر تیار نہ ہوگا۔ آخر ایک مرتبہ پھر سب اکٹھے ہو کر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑے اصرار کے ساتھ عرض کیا کہ جیسے بھی ہو آپ یہ بوجھ اٹھائیں۔ آپ نے جب اصرار کا یہ عالم دیکھا اور دوسری طرف اسلام کو درپیش خطرات کا تصور کیا تو مسجد نبوی میں تمام لوگوں کی موجودگی میں اس بوجھ کو اٹھانے کی حامی بھر لی اور یوں خدا تعالیٰ کے بہادر سپاہی نے ایک مرتبہ پھر یہ ثابت کر دیا کہ خدا کے دین کے مقابلے میں انہیں اپنی ذات' اپنی جان' اپنی عزت اور آبرو کی کوئی بھی پروا نہ تھی۔ چنانچہ جب اسلام کی عزت اور دفاع کا سوال آیا تو آپ نے بلا دریغ ہر خدمت پر کمر باندھ لی۔

وہ لوگ جو خیبر کی فتح کو آپ کا سب سے عظیم کارنامہ قرار دیتے ہیں وہ شاید اس واقعے کو بھول جاتے ہیں۔ ایسے خطرناک حالات میں جب مدینہ مکمل طور پر باغیوں کے کنٹرول میں تھا اور ہر ایک قسم کا ظلم روا رکھا جا رہا تھا آپ کی طرف سے خلافت کا منصب قبول کیا جانا آپ کی جرات اور بہادری کی ایسی مثال ہے جس کی نظیر پیش کرنا ممکن نہیں۔ ایسے وقت میں جب بڑے بڑے بہادر دل ہار بیٹھے تھے اور خود کو حالات کے دھارے کے سپرد کر دیا تھا آپ خدا کے شیر کی طرح اٹھے اور دین اسلام کی غیرت میں مسلمانوں کا راہنما بننا قبول کر لیا۔ لیکن افسوس ہوا وہی جس کا اندیشہ تھا بہت سے لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں آپ کا بھی ہاتھ ہے۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں یہ مطالبہ شدت پکڑ گیا کہ اگر آپ باغیوں کے ساتھی نہیں ہیں تو پھر انہیں فوری طور پر سزا دیں۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ باوجود اس کے کہ حضرت علیؓ خلیفہ بن چکے تھے مدینہ باغیوں کی چھاؤنی بنا ہوا تھا۔ چند دن کے بعد حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ "باغیوں سے بدلہ لیجئے" اس پر آپ نے پوچھا کہ بتاؤ اس وقت عملاً مدینہ کا حاکم میں ہوں یا باغی؟ انہوں نے جواب دیا کہ عملاً تو اس وقت تک باغی ہی حکمران ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا پھر میں کس طرح ان سے بدلہ لوں۔ ابھی انتظار کرو جب تک عام جوش ٹھنڈا نہ ہو اور باہر سے مدد نہ آئے اس وقت تک بدلہ لینا ممکن نہیں ہے۔ یہ بات سنکر دونوں صحابہ مطمئن ہو گئے اور اس بات کو تسلیم کر کے واپس چلے گئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اس وقت کے حالات بیان کرتے ہوئے اپنے ایک لیکچر "واقعات خلافت علوی" میں فرماتے ہیں۔

"اس وقت مدینہ میں تین قسم کے مفسد لوگ تھے ایک باغی دوسرے بدوی جو لوٹ مار کے لئے آ گئے تھے تیسرے غلام جو سب کے سب بے دین تھے۔ حضرت علیؓ نے تجویز کی کہ آہستہ آہستہ ان کو مدینہ سے نکالیں۔ چنانچہ انہوں نے مسجد میں اعلان کیا کہ ہر ایک غلام اپنے آقا کے ہاں چلا جائے ورنہ میں اس کی طرف سے خدا کے سامنے بری ہوں۔ باغی جو بہت چالاک اور ہوشیار تھے انہوں نے خیال کیا کہ اس طرح ہم کو کمزور کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔ اس پر انہوں نے کہہ دیا کہ کوئی باہر نہیں جائے گا اور کوئی اس حکم کو نہ مانے۔ پھر حضرت علیؓ نے بدوؤں کے متعلق اعلان کیا کہ گھروں کو چلے جائیں اس پر بھی انکار کر دیا گیا۔ ادھر تو یہ حالت تھی اور ادھر بعض صحابہؓ اس بات پر زور دے رہے تھے کہ قاتلوں کو سزا دی جائے اور ہمیں قرآن کے حکم پر عمل کرنا چاہئے خواہ ہماری جان بھی چلی جائے۔ حضرت علیؓ فرماتے کہ قرآن کا حکم قاتل کو قتل کرنا ہے لیکن یہ نہیں ہے کہ فوراً قتل کر دیا جائے۔ اس لئے فی الحال اس بات کو نہیں اٹھانا چاہئے۔ اس طرح فتنہ اور زیادہ بڑھ جائے گا اس پر ان کے متعلق کہا گیا کہ باغیوں کی طرف داری کرتے ہیں۔

(انوار العلوم جلد ۴ صفحہ ۴۷۴-۴۷۵)

جنگ جمل

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے مکہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کے لئے لوگوں کو جوش دلایا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کی یہی رائے ہوئی کہ خواہ کچھ ہو ابھی قاتلوں کو سزا دینی چاہئے۔ اس پر اعلان کر دیا گیا کہ ہم قاتلوں کو قتل کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ اور لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے اور کوئی سات آٹھ سو کے قریب تعداد ہو گئی۔ اور انہوں نے قاتلوں کے ساتھ لڑنا دین کی بہت اعلیٰ خدمت سمجھی۔ اس وقت سوال پیدا ہوا کہ ہماری تعداد تھوڑی ہے اگر ہم جائیں گے تو کوئی نتیجہ نہ ہو گا وہ غالب آ جائیں گے۔ اس لئے چاہئے کہ بصرہ چلیں جو فوج کی چھاؤنی تھی۔ یہ گروہ جب بصرہ کی طرف چلا اور حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو وہ بھی بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب بصرہ کے پاس پہنچے اور ایک صحابی قعقاع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ جا کر دریافت کرو کس غرض کے لئے آئے ہیں۔ انہوں نے

کہا اصلاح کے لئے۔ کہا گیا پھر لڑائی کیوں کریں۔ خود مل کر فیصلہ کر لیتے ہیں۔ اس پر طرفین راضی ہو گئے اور حضرت علیؓ نے اعلان کر دیا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں جو لوگ شریک تھے وہ میرے لشکر میں نہ رہیں۔ اس پر امید ہو گئی کہ صلح ہو جائے گی مگر مفسد کہاں یہ پسند کر سکتے تھے کہ صلح ہو۔ انہیں ڈر تھا کہ اگر صلح ہو گئی تو ہم مارے جائیں گے۔ انہوں نے رات کو آپس میں مشورہ کیا اور آخر یہ تجویز قرار پائی کہ رات کو شب خون ماریں اور خود ہی چھاپہ ڈالیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ طرفین کے لوگ بڑے اطمینان سے رات کو سوئے ہوئے تھے کہ صبح صلح ہو جائے گی۔ لیکن رات کو جب شور و شر سے اٹھے تو دیکھا کہ تلوار چل رہی ہے۔ ادھر مفسدوں نے یہ چالاکی کی کہ اگر ہماری اس سازش کا پتہ لگ گیا تو ہم قتل کئے جائیں گے اس کے لئے انہوں نے یہ کیا کہ ایک آدمی حضرت علیؓ کے پاس کھڑا کر دیا اور اسے کہہ دیا۔ جس وقت تم شور کی آواز سنو۔ اسی وقت انہیں کہہ دو کہ ہم پر حملہ کیا گیا۔ ادھر انہوں نے حملہ کیا اور ادھر اس نے حضرت علیؓ کو یہ اطلاع دی اور ان کی طرف سے کچھ آدمی ان پر جا پڑے۔ دونوں طرفوں کو اس بات کا ایک دوسرے پر افسوس تھا کہ جب صلح کی تجویز کی گئی تھی تو پھر دھوکا سے کیوں حملہ کیا گیا۔ حالانکہ یہ دراصل مفسدوں کی شرارت تھی۔ ایسی صورت میں بھی حضرت علیؓ نے احتیاط سے کام لیا اور اعلان کر دیا کہ ہمارا کوئی آدمی مت لڑے خواہ وہ ہمارے ساتھ لڑتے رہیں۔ مگر مفسدوں نے نہ مانا۔ ادھر بصرہ والوں کو بھی غصہ آگیا اور وہ بھی لڑنے لگ گئے۔ یہ ایک عجیب لڑائی تھی کہ فریقین نہ چاہتے تھے کہ لڑیں لیکن لڑ رہے تھے۔ اس وقت حضرت علیؓ نے لڑائی کو روکنے کے لئے ایک اور تجویز کی کہ ایک آدمی کو قرآن دے کر بھیجا کہ اس کے ساتھ فیصلہ کر لو۔ اس پر بصرہ والوں نے خیال کیا کہ رات تو خفیہ حملہ کر دیا گیا ہے اور اب کہا جاتا ہے قرآن سے فیصلہ کر لو یہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ نے تو نیک نیتی سے ایسا کیا تھا۔ لیکن حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ اس بات کو سمجھا نہیں جا سکتا تھا۔ اس وقت اس آدمی کو جو قرآن لے کر گیا تھا قتل کر دیا گیا۔ اس پر حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کو اور بھی غصہ آیا کہ قرآن کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اس کی طرف بھی نہیں آتے۔ اب کیا کیا جاوے۔ یہی صورت ہے کہ حملہ ہو۔ ادھر سے بھی حملہ ہوا اور لڑائی بہت زور سے شروع ہو گئی۔ آخر جب اس کے ختم ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ تو ایک صحابی جن کا نام کعب تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور جا کر کہا کہ مسلمان ایک دوسرے کو مار رہے ہیں۔ اس وقت آپ کے ذریعہ ان کی جان بچ سکتی ہے آپ میدان میں چلیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہو کر گئیں اور انہوں نے کعبؓ کو قرآن دے کر کھڑا کیا کہ اس سے فیصلہ کر لو۔ حضرت علیؓ نے جب ان کا اونٹ دیکھا تو فوراً حکم دیا کہ لڑائی بند کر دو۔ مگر مفسدوں نے بے تحاشہ تیر مارنے شروع کر دیئے اور کعب چھد کر گر پڑے اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تیر پڑنے لگے تو صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر حملہ ہوتا دیکھ کر کٹنا اور مرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں میں کوئی لڑائی ایسی خونریز نہیں ہوئی جیسی یہ ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ایک ایک کر کے آتے اور مارے جاتے۔ اس وقت بڑے بڑے جرنیل اور بہادر مارے گئے۔ آخر جب دیکھا گیا کہ لڑائی بند ہونے کی کوئی صورت نہیں اور قریب ہے کہ تمام مسلمان کٹ کر مر جائیں۔ یہ کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاؤں کاٹ دیئے گئے اور جوں ہی اونٹ گرا بصرہ والے بھاگ گئے اور حضرت علیؓ کا لشکر غالب آگیا۔ یہ جنگ جمل کا حال ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل انہی لوگوں نے لڑائی کرائی جو شریر اور مفسد تھے۔ اور اسلام میں فتنہ ڈالنا ان کی غرض تھی۔

لڑائی کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ کی طرف جانا چاہتی تھیں۔ انہیں ادھر روانہ کر دیا گیا۔ اور حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ الوداع کرنے کے لئے ساتھ آئے۔ روانہ ہوتے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ کہ ہم میں کوئی عداوت نہیں۔ اتنا ہی اختلاف تھا جتنا رشتہ داروں کا آپس میں ہو جایا

کرتا ہے۔ یہی بات حضرت علیؓ نے کہی (الکامل فی التاریخ لابن الاثیر جلد ۳ صفحہ ۲۵۸ مطبوعہ بیروت ۱۹۶۵ء) اور اس طرح ان کی بالکل صلح و صفائی ہو گئی۔

(بحوالہ انوار العلوم جلد ۴ صفحہ ۷۸-۴۷۵-۴۷۵)

جنگ جمل کے اختتام کے بعد ۳۶ھ میں حضرت علیؓ کوفہ تشریف لے گئے اور مدینہ کی بجائے کوفہ کو دارالخلافہ مقرر کر دیا۔ یہ تبدیلی آپ نے اس بناء پر کی تھی کہ مخدوش سیاسی حالات کی وجہ سے مدینہ جو حرم نبوی ﷺ تھا اس کی عزت اور حرمت خطرے میں پڑ گئی تھی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے واقعات کے دوران مدینہ میں جو حالات پیش آئے وہ بہت تکلیف دہ تھے۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ سیاسی مرکز ہونے کی وجہ سے آئندہ پھر مدینہ میں کوئی ایسا ہی واقعہ پیش آئے۔ اسی وجہ سے آپ نے سیاسی سرگرمیوں کیلئے کوفہ کو مرکز مقرر کر دیا۔

شہادت

غیر یقینی سیاسی صورت حال کی بناء پر مفسدوں کو اپنے فتنے پھیلانے کے کھلے مواقع حاصل تھے۔ اب یہ بات بالکل کھل کر سامنے آ چکی تھی کہ ان لوگوں کی اصل دشمنی حضرت عثمانؓ سے نہ تھی بلکہ یہ اسلام کی ترقیات سے خائف ہو کر عالم اسلام میں پھوٹ ڈالنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہی حالات کی وجہ سے حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کو بھی باہم جنگ میں الجھنا پڑا جسے جنگ صفین کہا جاتا ہے۔ اسی جنگ کے دوران "خوارج" کا فتنہ کھل کر سامنے آیا جنہوں نے کھلے عام خلافت اسلامیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ یہ لوگ بھی دراصل انہی مفسدین کے سلسلے کی ایک کڑی تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے دور میں نیکی کے نام پر بدی کی تعلیم دینی شروع کی تھی۔ ان لوگوں کا نعرہ یہ تھا کہ ہر فیصلہ قرآن کے مطابق کیا جائے اور کسی انسان کو ان فیصلوں میں دخل کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ ایسا نعرہ تھا جو بھولے بھالے لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے بہت کارگر ثابت ہوا حالانکہ قرآن کریم خود جا بجا اولی الامر یعنی حاکموں کی اطاعت کرنے اور ان کی بات ماننے کی تلقین کرتا ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اس نعرے کی بناء پر بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور خلافت اسلامیہ کے خلاف برسرپیکار ہو گئے۔ اور بالآخر ۴۰ ہجری میں انہی میں سے بعض لوگوں نے مل کر یہ طے کیا کہ خلیفہ وقت کو شہید کر کے اس نظام کو مٹا دیا جائے۔ چنانچہ ایک بدقسمت خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے اس کام کو اپنے ذمے لیا اور کوفہ پہنچ کر آپ کے قتل کا منصوبہ تیار کرنے لگا۔ یہ رمضان ۴۰ ہجری کی ایک صبح کا واقعہ ہے جب خدا تعالیٰ کا یہ پیارا خلیفہ نماز فجر ادا کرنے کے لئے مسجد تشریف لایا۔ ابن ملجم جو آپ کی ہی آمد کا انتظار کر رہا تھا اپنے ہاتھ میں زہر میں بھگویا ہوا خنجر لئے آپ کی طرف بڑھا اور پوری طاقت سے یہ خنجر آپ کے جسم مبارک میں پیوست کر دیا۔ آپ کی پکار سن کر لوگ دوڑے اور مدد کو آئے۔ ابن ملجم کو گرفتار کر لیا گیا اور آپ کو گھر پہنچا دیا گیا۔ خنجر چونکہ زہر آلود تھا اس لئے جلد ہی تمام جسم میں زہر پھیل گیا اور اسی زخم کی وجہ سے ۲۰ رمضان ۴۰ ہجری کی رات کو آپ اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (طبری)

خلافت راشدہ کا وہ روشن ستارہ جو حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں کی راہنمائی کیلئے طلوع ہوا تھا آج کے دن بجھ گیا۔ خلافت اسلامیہ کے افق کا ایک اور روشن ستارہ ڈوب گیا۔ اس سلسلے کا آخری ستارہ جس کے بعد منظر ہی تبدیل ہو گئے۔ خلافت کی جگہ بادشاہت نے لے لی اور وہ باغی اور مفسد لوگ جنہوں نے عالم اسلام میں نفرتوں کی آگ بھڑکائی تھی اس دور ملوکیت میں سختی کے ساتھ پکڑے گئے۔ انہیں ایسی ایسی سزائیں دی گئیں کہ اپنی سب شرارتیں بھول گئے۔ تب وہ وقت آ گیا جب لوگ رو رو کر خلافت راشدہ کے زمانے کو یاد کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے وہ الفاظ دہراتے تھے جو انہوں نے شہادت سے قبل ارشاد فرمائے تھے کہ جب میں نہ رہوں گا تو تم لوگ آرزو کیا کرو گے کہ کاش عثمانؓ کی خلافت کا ایک دن ایک سال کے برابر ہو جاتا۔ ایسا ہی ہوا اور ایسا ہی ہونا مقدر تھا کیونکہ اس بارے میں رسول اکرم ﷺ کی بے شمار پیش

گوئیاں موجود تھیں۔ لیکن یہ پیش گوئیاں صرف مصائب اور آلام کے بارے میں ہی نہیں تھیں بلکہ اک تازہ اور نئی صبح کی خبریں بھی ان میں موجود تھیں۔ ایک روشن صبح جو اندھیروں کو اجالوں میں بدلنے کیلئے آنی تھی۔ حضرت علیؓ خلافت راشدہ کا آخری ستارہ تو تھے لیکن اس خیر امت کیلئے روشنی کا آخری چراغ نہ تھے۔ مسلمان ان پیش خبریوں سے واقف تھے جو مقررہ وقت پر پوری ہو کر اپنا جلوہ دکھانے والی تھیں۔ لیکن ابھی اس میں بہت وقت باقی تھا۔ صدیوں کی دھوپ چھاؤں کا ایک طویل سلسلہ حائل تھا۔ اور اس وقت تک صرف انتظار باقی تھا۔ ایسا انتظار جو چودہ صدیوں پر محیط تھا۔ اتنا لمبا انتظار جو عمروں کے ایک طویل سلسلے کا تقاضہ کر رہا تھا۔ پس انہیں خیالات کو پلکوں پہ سجائے، پرنم آنکھوں اور ٹوٹے دلوں کے ساتھ دکھی مسلمانوں نے اپنے پیارے امام کو الوداع کہا اور حضرت علیؓ جیسے بے نفس اور پاک انسان کو کوفہ کے ایک قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

ولادت

○ مکرم منصور احمد جاوید چٹھہ صاحب مراقب خدام الاحمدیہ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے مورخہ 16-6-99 کو دوسرے بیٹے سے نوازا ہے۔ جس کا حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے "فہمید احمد" نام عطا فرمایا ہے۔ نومولود وقف نو کی بابرکت تحریک میں شامل ہے۔ اور وہ مکرم چوہدری ولایت محمد طاہر صاحب چٹھہ پنشنر وکالت دیوان تحریک جدید کا پوتا مکرم چوہدری اعجاز احمد صاحب مرحوم آف کھوسکی ضلع بدین کا نواسا اور مکرم چوہدری محمود احمد مبشر صاحب درویش قادیان کا پڑنواسا ہے۔ اس کی صحت، درازی عمر اور نیک صالح ہونے کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کا تصور پاکستان

(۱) پاکستان کا طرز حکومت صرف جمہوری ہوگا

پاکستان کے مرکزی نظام کے بارے میں ۲۱ نومبر ۱۹۴۶ء کو رائٹر کے نمائندے مسٹر ڈان گیل سے ایک انٹرویو کے دوران قائداعظم نے فرمایا:۔

"پاکستان کے مرکزی نظام اور اس کی واحدانیتوں کے نظام حکومت کا فیصلہ تو پاکستان کی مجلس دستور ساز کرے گی۔ البتہ پاکستان کا طرز حکومت صرف جمہوری ہوگا۔ اس کی پارلیمنٹ' اس کی وزارت (جو پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہوگی) دونوں ہی عموماً رائے دہندگان عوام کے سامنے جواب ہوں گی۔ جس میں کسی ذات' نسل یا فرقہ کی تفریق نہیں کی جائے گی۔ اور عوام ہی اپنی حکومت کی پالیسی اور پروگرام کے متعلق آخری فیصلہ کریں گے۔"

(۲) پاکستان میں نسل و عقیدے کا سوال نہیں

"اگر آپ لوگ باہمی تعاون سے کام کریں' ماضی کو بھول جائیں اور گذشتہ راصلوٰۃ پر عمل کریں تو یقیناً کامیاب ہونگے۔ اگر آپ مل جل کر اس جذبے کے تحت کام کریں کہ ہر شخص خواہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو' ماضی میں آپ کے تعلقات ایک دوسرے سے خواہ کیسے ہی رہے ہوں۔ اس کا رنگ' نسل' مذہب کچھ ہی ہو۔ اولاً' ثانیاً' آخراً اسی مملکت کا شہری ہے۔ اس کے حقوق' مراعات اور ذمہ داریاں مساوی و یکساں ہیں تو ہم بے حد ترقی کر جائیں گے۔ ہمیں اس جذبہ کے تحت کام شروع کر دینا چاہئے۔ پھر رفتہ رفتہ' اکثریت اور اقلیت کے مسلمان فرقہ اور ہندو فرقہ کے تمام اختلافات مٹ جائیں گے۔"

(۳) پاکستان میں ذات اور عقیدے کا مملکت کے مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔

پاکستان مجلس دستور ساز کے افتتاحی اجلاس میں ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کے صدارتی خطبہ میں قائداعظم نے فرمایا:۔

"اگر ہمیں پاکستان کی اس عظیم الشان ریاست کو خوشحال بنانا ہے تو ہمیں اپنی تمام تر توجہ لوگوں کی فلاح و بہبود کی جانب مبذول کرنا چاہئے۔ خصوصاً عوام اور غریب لوگوں کی جانب۔ اگر آپ نے تعاون اور اشتراک کے جذبے سے کام کیا تو تھوڑے ہی عرصہ میں اکثریت اور اقلیت' صوبہ پرستی اور فرقہ بندی اور دوسرے تعصّبات کی زنجیریں ٹوٹ جائیں گی۔ ہندوستان کی آزادی کے سلسلہ میں اصل رکاوٹ یہی تھی۔ اگر یہ نہ ہوتیں تو ہم کبھی کے آزاد ہو گئے ہوتے۔ اگر یہ آلائشیں نہ ہوتیں تو چالیس کروڑ افراد کو کوئی زیادہ دیر تک غلام نہ رکھ سکتا تھا۔

یورپ خود کو مہذب کہتا ہے لیکن وہاں پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک خوب لڑتے ہیں۔ وہاں کی بعض ریاستوں میں آج بھی افتراق موجود ہے۔ مگر ہماری ریاست کسی تمیز کے بغیر قائم ہو رہی ہے۔ یہاں ایک فرقے یا دوسرے فرقہ میں کوئی تمیز نہ ہوگی۔ ہم اس بنیادی اصول کے تحت کام شروع کر رہے ہیں کہ ہم ایک ریاست کے باشندے اور مساوی باشندے ہیں۔ آپ آزاد ہیں۔ آپ اس لئے

آزاد ہیں کہ اپنے مندروں میں جائیں، آپ آزاد ہیں کہ اپنی مسجدوں میں جائیں یا پاکستان کی حدود میں اپنی کسی عبادت گاہ میں جائیں۔ آپ کا تعلق کسی مذہب، کسی عقیدے یا کسی ذات سے ہو اس کا مملکت کے مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں یہ بات بطور نصب العین اپنے سامنے رکھنی چاہئے اور آپ یہ دیکھیں گے کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ہندو ہندو نہ رہے گا اور مسلمان مسلمان نہ رہے گا، مذہبی مفہوم میں نہیں کیونکہ یہ ہر شخص کا ذاتی عقیدہ ہے بلکہ سیاسی مفہوم میں، اس مملکت کے ایک شہری کی حیثیت سے۔"

الٰہی مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم

قائداعظم سے اگست ۱۹۴۱ء میں دکن میں طلبہ نے سوال کیا کہ مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازم کیا ہیں تو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے خود اس امر کا انکشاف کیا اور فرمایا:۔

"جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کے مطابق لامحالہ میرا ذہن خدا اور بندے کی باہمی نسبت اور رابطہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے لیکن میں بخوبی جانتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم اور تصور نہیں ہے۔ میں نہ کوئی مولوی ہوں نہ ملا، نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے۔ البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی غرضیکہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو۔ قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور طریق کار نہ صرف مسلمانوں کے لئے بہترین ہے بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لئے حسنِ سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر تصور ناممکن ہے۔

(حیات قائداعظم صفحہ ۲۴۷ مصنفہ چوہدری سردار محمد جان عزیز۔ احسن برادرز لاہور)

(۵) وطن عزیز کی سرزمین پر اسلامی جمہوریت، مساوات انسانی کے اصولوں کی پاسبانی کرنی ہوگی

"ہم نے پاکستان کی جنگ آزادی جیت لی ہے مگر اسے برقرار رکھنے اور مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کی سنگین ترین جنگ ابھی جاری ہے اور اگر ہمیں ایک بڑی قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو اس جنگ میں کامیابی حاصل کرنی ہوگی۔ فطرت کا اٹل اور سفاک قانون ہے۔ "بقائے اصل" ہمیں خود کو اس نئی آزادی کا اہل ثابت کرنا ہے۔

فاشیت کے خطرات سے دنیا کو بچانے اور اسے جمہوریت کے لئے محفوظ بنانے کی خاطر کرہ ارض کے دور دراز حصوں میں جا کر آپ نے میدان جنگ میں آپ نے داد شجاعت حاصل کی ہے مگر اب آپ کو اپنے ہی وطن عزیز کی سرزمین پر اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشرتی، عدل اور مساوات انسانی کے اصولوں کی پاسبانی کرنی ہے۔ آپ کو ان کے لئے ہر وقت تیار رہنا ہوگا۔ ہمہ تن ہوشیار۔ سستانے کا موقعہ ابھی نہیں آیا ہے۔ یقین محکم، ضبط و نظم اور ادائیگی فرض کی دھن ایسے اصول ہیں۔ اگر آپ ان پر کاربند رہے تو کوئی شے ایسی نہیں جسے آپ حاصل نہ کر سکیں۔

(قائداعظم کا افواج پاکستان سے خطاب۔ مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۴۸ء از خطبات قائداعظم صفحہ ۵۸۲۔۵۸۳، تدوین تہذیب رئیس احمد جعفری (ندوی) مقبول اکیڈمی۔ ادبی مارکیٹ۔ چوک انارکلی۔ لاہور)

(۶) جمہوریت کی بنیاد۔ اسلامی اصول

"میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوہ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام نے ہمارے لئے بنایا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیاد صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔"

(قائداعظم کی شاہی دربار سبی بلوچستان میں تقریر ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء)

مساوات رواداری ہمارے مذہب کی بنیاد ہیں

"جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی بنیاد عمرانی عدل اور اسلامی سوشلزم کے اصولوں پر رکھی جائے تو بنی نوع انسان کی اخوت اور مساوات پر زبردست زور دیتے ہیں تو آپ محض میرے اور لاکھوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں اور اسی طرح جب آپ ہر شخص کے لئے مساوی مواقع مانگتے ہیں تب بھی آپ میرے خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ترقی کے ان مقاصد کے متعلق پاکستان میں کوئی اختلاف رائے نہیں۔ کیونکہ ہم نے پاکستان اس لئے طلب کیا تھا۔ اس کی خاطر جدوجہد کی تھی اور اسے اس لئے حاصل کیا تھا کہ ہم اپنی روایات کے مطابق اپنے معاملات کو حل کرنے میں جسمانی اور روحانی طور پر قطعاً آزاد ہوں۔ اخوت' مساوات اور رواداری' یہ ہیں ہمارے مذہب 'تہذیب اور تمدن کے اساسی نقطے۔ ہم نے پاکستان کے لئے اس لئے جنگ کی تھی کہ برصغیر میں ہمیں ان انسانی حقوق سے محروم کردیئے جانے کا خدشہ تھا۔"

(قائداعظم کا چاٹگام میں خطاب۔ ۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء از خطبات قائداعظم صفحہ ۵۹۰۔ تدوین و تہذیب از رئیس احمد جعفری (ندوی) مقبول اکیڈمی 'ادب مارکیٹ۔ چوک انارکلی لاہور۔

(۸) حکومت ناانصافی اور جانبداری کی بنیادوں پر کھڑی نہیں رہ سکتی

فرمایا:۔

"اقلیتیں جہاں بھی ہوں ان کے تحفظ کا انتظام کیا جائے گا۔ میں نے ہمیشہ یقین کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا ایقان غلط نہیں۔ کوئی حکومت اور کوئی مملکت اپنی اقلیتوں کو اعتماد اور تحفظ کا یقین دلائے بغیر کامیابی کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتی۔ کوئی حکومت ناانصافی اور جانبداری کی بنیادوں پر کھڑی نہیں رہ سکتی۔ اقلیت کے ساتھ ظلم و تشدد اس کی بقا کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ اقلیتوں میں انصاف و آزادی' امن و مساوات کا احساس پیدا کرنا ہر انتخابی حکومت کی بہترین آزمائش ہے۔ اس خلوص میں ہم دنیا کے کسی متمدن ملک سے پیچھے نہیں رہ سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ جب وقت آئے گا تو ہمارے ملکی خطوں کی اقلیتوں کو ہماری روایات' ثقافت اور اسلامی تعلیم سے نہ صرف انصاف و صداقت ملے گی بلکہ انہیں ہماری کریم النفسی اور عالی ظرفی کا ثبوت بھی مل جائے گا۔ ہم مول تول نہیں کرتے۔ ہم لین دین کے عادی نہیں' ہم صرف عمل پر یقین رکھتے ہیں اور صرف تدبر اور عملی سیاست پر اعتماد رکھتے ہیں۔"

(خطبات قائداعظم صفحہ ۱۳۵ رئیس احمد جعفری (ندوی) مقبول اکیڈمی۔ ادبی مارکیٹ چوک انارکلی۔ لاہور)

(۹) اقلیتوں کے ساتھ انصاف

"پاکستان کے نظام حکومت کی　　　　پھر یہ کہوں گا کہ ہم نے اس سلسلے میں جو پالیسی طے کی ہے اس پر پوری طرح کاربند رہیں گے۔ پاکستان میں جو اقلیتیں ہیں ان کی جان و مال کی حفاظت کرتے رہیں گے اور ان کے ساتھ انصاف کریں گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ پاکستان سے چلے جانے پر مجبور کردیئے جائیں۔ جب تک یہ لوگ حکومت کے وفادار و وفاکیش رہیں گے۔ ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے گا جیسا کہ پاکستان کے اور شہریوں کے ساتھ چونکہ حکومت کی اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری عمال حکومت پر عائد ہوتی ہے اس لئے یہ دیکھنا ان کا فرض ہے کہ اس پر کماحقہ عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ تاکہ یہ الزام نہ آئے کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے۔ آپ لوگ ہی عوام اور حکومت کی نیک نیتی کا یقین دلا سکتے ہیں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ عمال حکومت ہمیں اس سلسلہ میں مایوس نہ کریں گے۔"

(قائداعظم کا افسران حکومت سے خطاب ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء از خطبات قائداعظم صفحہ ۵۷۲۔ تدوین رئیس احمد جعفری (ندوی) مقبول اکیڈمی)

(۱۰) غیر مسلم ہمارے بھائی ہیں

۲ نومبر ۱۹۴۱ء کو قائداعظم نے انجمن اتحاد طلبہ جامعہ اسلامیہ علیگڑھ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ چھوت چھات صرف انہیں کے مذہب اور انہیں کے فلسفہ میں جائز ہے ہمارے ہاں ایسی کوئی بات نہیں۔ اسلام انصاف، مساوات، معقولیت اور رواداری کا حامل ہے۔ بلکہ جو غیر مسلم ہماری حفاظت میں آجائیں ان کے ساتھ فیاضی کو بھی روا رکھتا ہے۔ یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں اور اس ریاست میں وہ شہریوں کی طرح رہیں گے۔"

(جناح کی تقریریں صفحہ ۱۹۰۔۱۹۱ از عثمانی صحرائی۔ ادارہ اشاعت اردو حیدر آباد دکن طبع اول ۱۹۴۵ء)

(۱۱) ملا حکومت اور برہمن حکومت

قائداعظم نے جب اپنی کوٹھی (اورنگ زیب روڈ۔ دہلی) پر اپنی آخری پریس کانفرنس کی تو وہاں ایک ہندو پریس رپورٹر نے قائداعظم سے پھر یہ سوال کیا کہ:۔

"ملا حکومت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

اُس وقت کانگریس کی عنان اقتدار چونکہ سناتن دھرمی برہمن پنڈت نہرو کے ہاتھ میں تھی اس لئے قائداعظم نے فوراً یہ جوابی سوال داغ دیا کہ:۔

"برہمن حکومت کے متعلق کیا خیال ہے؟"

(۱۲) پاکستان میں ذات پات کا خیال نہیں ہوگا

"پاکستان میں ایک ایسی حکومت ہوگی جس میں سب قوموں کی زندگی کی تمام آسائشوں کا حصہ ملے گا۔ اس لئے اب تمام مسائل حل کر لیجئے۔ پاکستان ایک ایسی حکومت ہوگی جہاں ذات پات کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ آخر مجھے کسی فرقہ کے خلاف جو اپنے افراد کی تعلیمی اور معاشرتی ترقی کے لئے کوشاں ہیں کیوں شکایت ہونی چاہئے۔ ایسی کوشش کریں گے اتنی ہی جلدی آپ موجودہ مسائل کا حل تلاش کرلیں گے۔"

(قائداعظم کا میمن چیمبر آف کامرس بمبئی کے ایک اجتماع سے خطاب ۲۸ مارچ ۱۹۴۷ء از خطبات قائداعظم صفحہ ۵۱۹ تدوین، تہذیب......)

(۱۳) عدل و مساوات......اسلام کا اصول

"قیام پاکستان جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے جدوجہد کر رہے تھے خدا کا شکر ہے کہ آج ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اپنے لئے ایک مملکت قائم کرنا ہی ہمارا مقصود نہیں تھا، یہ ذریعہ تھا حصول مقصد کا۔ خیال یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کے مالک ہوں گے جہاں ہم اپنی روایات اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی کر سکیں۔ جہاں اسلام کے عدل و مساوات کے اصولوں کو آزادی سے برسرِ عام آنے کا موقعہ حاصل ہو۔"

(قائداعظم کا افسران حکومت سے خطاب ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء از خطبات قائداعظم صفحہ ۵۰ تدوین و تہذیب..........)

(۱۴) نہ کوئی بنگالی ہے نہ پنجابی نہ سندھی نہ بلوچی

"میں صاف طریق پر آپ کو ان خطرات سے آگاہ کر دینا چاہتا ہوں جو پاکستان کے قیام کو روکنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اپنی شکست سے پریشان ہو کر پاکستان کے دشمن اب مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر اس مملکت میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کوششوں نے اب صوبہ پرستی کو ہوا دینے کی صورت اختیار کی ہے۔

جب تک آپ اپنی ملکی سیاست سے اس زہر کو نکال کر نہیں پھینک دیں گے اس وقت تک آپ خود ایک حقیقی قوم نہیں ڈھال سکتے اور نہ ویسا جوش اور ولولہ پیدا کر سکتے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ بنگالی، سندھی، بلوچی، پٹھان وغیرہ کی باتیں نہ کریں۔ آپ سب ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔"

ایک ناقابلِ فراموش کبڈی میچ

(تحریر: خواجہ بشیر احمد بنی اسرائیل)

یہ ان دنوں کی بات ہے جب دنیائے کبڈی میں مشہور ساہی نذر محمد عرف نجا کا طوطی بول رہا تھا۔ انہیں پکڑنا کسی بھی "جاپھی" کے لئے قریباً ناممکن تھا۔ بڑے بڑے پکڑنے والے اپنا پورا زور لگا چکے تھے۔ قدرت نے انہیں جھکائی دینے کا ایسا فن عطا فرمایا تھا کہ جاپھی منہ دیکھتے رہ جاتے۔ وہ ہاتھوں سے پھسل کر نکل جاتے تھے۔ مچھلی کی طرح ملائم اور لچک دار جسم رکھتے تھے۔ بلا مبالغہ کئی سال تک وہ بغیر پکڑے جانے کے کھیلتے رہے تھے۔

ان حالات میں ہم نے سنا کہ لاہور اور قصور کی ٹیموں کے درمیان ایبٹ روڈ گراؤنڈ پر ایک میچ ہونا قرار پایا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں قصور کی ٹیم کا کوئی اچھا تصور نہ تھا نہ کسی بڑے ٹورنامنٹ میں اس نے شرکت کی تھی۔ اس لئے ہم نے اس خبر کو کوئی اہمیت نہ دی اور میچ دیکھنے کا پروگرام نہ بنایا ورنہ ہم اچھے میچ کہاں چھوڑتے تھے۔

اتفاق سے ہمارے محلہ محمد نگر لاہور میں ایک فیملی رہتی تھے جن کا تعلق قصور سے تھا۔ انہیں کبڈی دیکھنے کا شوق بھی بہت تھا۔ انہوں نے ہمیں (یعنی کبڈی کے شوقین گروپ کو) بتایا کہ قصور میں ایک چُوڑی گروں کا خاندان رہتا ہے۔ ان میں سے بعض بہت اچھے کبڈی کے "جاپھی" ہیں کیونکہ وہ انسانی اعضاء خصوصاً جوڑوں سے خوب واقف ہوتے ہیں لیکن بوجہ پیشہ ور ہونے کے بہت کم قصور سے باہر کھیلتے ہیں۔ اگر وہ آگئے تو مزہ آجائیگا۔ چنانچہ اُن کے شوق دلانے پر ہم نے میچ دیکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

جب ہم میدان میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ آٹھ آنے ٹکٹ ہے۔ (اس زمانے میں یعنی آج سے قریباً 40 برس قبل یہ کافی تھے)۔

خیر ہم نے ٹکٹ خریدے اور میدان میں داخل ہوئے۔ ایک تکلیف دہ منظر دیکھا۔ قصور کی ٹیم میدان میں موجود تھی لیکن کھلاڑی کپڑے نہیں اتار رہے تھے۔ کچھ معاوضے کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ہم نے سنا کہ لاہور ٹیم کے کپتان اور کبڈی کے مشہور ساہی محمد طفیل عرف "گورکھا" انہیں باقاعدہ ڈانٹ رہے تھے "اتنی رقم! یہ کوئی ٹیم ہے؟" وہ بے چارے شرمندہ ہوئے جا رہے تھے۔ آخر لاہوریوں کی بات انہوں نے مان لی۔ کھلاڑیوں نے میچ کھیلنے کی غرض سے کپڑے اتارنا شروع کر دیئے۔ ہمیں بہت تجسس تھا کہ نذر محمد کو کون پکڑے گا کیونکہ وہ ناقابل شکست کھلاڑی تھے۔ جتنی دفعہ چاہتے کبڈی ڈالنے جاتے اور پوائنٹ لے آتے۔ بغیر ان کو پکڑے کسی بھی ٹیم کے لئے میچ جیتنا ممکن نہ تھا۔ قصور کے کھلاڑیوں کے ساتھ کچھ لوگ بھی آئے ہوئے تھے۔ ان سے ہم نے دریافت کیا کہ نذر محمد کو کون پکڑے گا۔ ان میں سے ایک صاحب نے ہمیں اشارہ کر کے بتایا کہ وہ صاحب جو چوڑی گر ہیں اسے پکڑیں گے۔ ہم نے بڑی حیرت اور اشتیاق سے انہیں دیکھا۔ آپ بھی ملاحظہ فرماویں۔ درمیانہ بلکہ چھوٹا قد، جسم بالکل عام بلکہ کچھ زنانہ سا، لنگوٹی یا جانگئے کی بجائے ایک بدوضع سی نیکر پہنے ہوئے۔ عمر خدا جانے کتنی تھی لیکن معلوم 40-35 سے کم نہ ہو رہے تھے۔ شیو کافی بڑھی ہوئی اور اسی میں سفید اور سیاہ بالوں کا سنگت۔ شرمیلی سی طبیعت کیونکہ نگاہیں نیچی کئے کھڑے تھے۔ یقین فرمائیں ان میں کوئی بھی ایسی چیز نہ دکھائی نہ دی کہ اُس مایہ ناز کھلاڑی کو پکڑ سکتے۔

خیر میچ شروع ہوا۔ قصور والوں کی طرف دو نوجوان

تھے۔ وہ باری باری کبڈی ڈالنے لگے۔ چاہے وہ پکڑے جاتے یا پوائنٹ لے آتے۔ باری باری وہ جاتے ہی رہتے۔ لاہور والوں کی طرف سے ایک ساہی الطاف نامی گئے جو پولیس میں حوالدار تھے اور بڑے قوی ہیکل قسم کے جوان تھے۔ بڑی شہرت رکھتے تھے ادھر قصوریوں میں ایک پکڑنے والے تھے۔ اتنے دبلے گویا تنکے میں جان پڑ گئی ہو۔ الطاف صاحب کو انہوں نے پکڑا اور اپنے بازو اور ٹانگیں ان کے جسم کے گرد اس طرح لپیٹ لیں جیسے آکاس بیل پودے کو لپیٹ جاتی ہے۔ انہوں نے اور غضب یہ کیا کہ دونوں ہاتھ کھلے چھوڑ دئے اور تالی بجادی۔ ہم حیرانی سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ الطاف صاحب کو کچھ شرم اور غصہ آیا۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ ان کی کمر کے نیچے دے کر انہیں اس طرح اٹھالیا جیسے چھوٹے بچے کو ماں اٹھالیتی ہے۔ (ہلکے سے تو تھے) اور وہ پالے کی طرف چل پڑے۔ ہمارے ساتھ جو قصور کے لوگ کھڑے تھے انہوں نے بتایا کہ آج تک جب انہوں نے کسی کو یوں پکڑ لیا ہو تو پھر کبھی نہیں جانے دیا۔ وہی ہوا۔ پتہ نہیں کون سا داؤ لگایا۔ الطاف صاحب آٹے کی بھری ہوئی بوری کی طرح دوبارہ زمین پر گر گئے۔ انہوں نے پھر دونوں ہاتھ کھلے چھوڑ کر تالی بجادی۔ اسی اثناء میں وقت ہو گیا اور ریفری کی وسل نے پوائنٹ قصور کو دے دیا۔

اب سنئے نذر محمد صاحب کا حشر۔ خرگوش کی طرح اچھلتے کودتے وہ کبڈی ڈالنے گئے جیسا کہ ان کی عادت تھی۔ پتا نہیں کس وقت اور کیسے انہی شرمیلے صاحب نے انہیں پکڑ لیا۔ وہ یوں کہ نذر محمد صاحب کا ایک ٹخنہ ان کے ہاتھوں میں تھا۔ ساتھ اپنا سر انہوں نے ٹخنے کے ساتھ لگا بلکہ دبایا اور زمین پر ٹکا کر رکھ دیا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک انچ بھی نذر محمد آگے نہ سرک سکے۔ انہوں نے اپنے پاؤں چھڑانے کی غرض سے پہلے ایک طرف گھمایا اور پھر دوسری طرف۔ آخر ہاتھ فضا میں بلند کر دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ہار مان چکے تھے۔ پورے میدان میں تحسین و مرحبا کے نعرے گونجنے لگے۔ شاید اس دن بے شمار لوگوں نے نذر محمد کو پہلی مرتبہ کسی سے پکڑے جاتے دیکھا تھا۔ بعض تماشائیوں نے جن میں ہم سب سے پہلے شامل تھے، یہ خیال کیا کہ شاید اتفاق طور پر ایسا ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد ایک دفعہ پھر یہی عمل دہرایا گیا۔ بالکل پہلے کی طرح گویا اس کا ری پلے Replay ہو۔ پھر تو قصوریوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ انہوں نے دنیائے کبڈی کے بہترین ساہی کو نیچا دکھا دیا تھا۔ وہ اتنے خوش تھے کہ میچ ختم ہونے پر انہوں نے کپڑے نہیں پہنے بلکہ اسی حالت میں ناچتے، بھنگڑا ڈالتے ریلوے اسٹیشن تک گئے جہاں سے انہوں نے قصور کے لئے گاڑی پکڑنا تھی۔

برطانیہ میں پوسٹ گریجویٹ تعلیم

(مرسلہ: نظارت تعلیم۔ صدر انجمن احمدیہ۔ ربوہ)

پاکستان سے برطانیہ میں اعلیٰ پوسٹ گریجوئٹ تعلیم کے خواہاں طلباء وطالبات کے لئے ضروری ہے کہ انہوں نے کم از کم 16 سال کی تعلیم مکمل کی ہو۔ یہ تعلیم دو سالہ بیچلرز ماسٹرز کے بعد کر کے یا انٹرمیڈیٹ کے بعد چار سالہ پروفیشنل بیچلرز پر مشتمل ہونا لازمی ہے۔ برطانیہ میں پوسٹ گریجویٹ تعلیم آرٹس و سائنس کے مضامین میں ڈپلومہ۔ ماسٹرز اور ڈاکٹریٹ کے Levels پر دی جاتی ہے۔

Taught ماسٹرز پروگرام کا دورانیہ 9 ماہ سے دو سال تک ہوتا ہے اور کورس ورک کے علاوہ آخری حصہ تحقیقی مقالہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ Taught ماسٹرز ڈگری آرٹس' سائنس' بزنس' انجینئرنگ' لاء وغیرہ میں دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بعض پوسٹ گریجویٹ پروگرام مکمل تحقیق پر مشتمل ہوتے ہیں جیسے ریسرچ ماسٹرز' ایم فل اور Ph.D ایم فل کا دورانیہ تقریباً دو اور Ph.D کا تین سال ہوتا ہے۔ بعض طلبہ جن کو براہ راست ماسٹرز پروگرام میں داخلہ نہیں ملتا ہے۔ پوسٹ گریجویٹ ڈپلومہ میں داخلہ حاصل کرتے ہیں جن کا دورانیہ عام طور پر ایک سال ہوتا ہے اور پھر ماسٹرز پروگرام میں جانے کے اہل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایجوکیشن و ڈینٹل فیلڈز میں بھی پوسٹ گریجویٹ سرٹیفکیٹ پروگرام بھی مختلف ادارہ جات کرواتے ہیں۔ ادارہ جات جو کسی بھی مضمون میں کوئی پروگرام آفر کرتے ہیں انگلستان' سکاٹ لینڈ' شمالی آئرلینڈ اور ویلز میں واقع ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے پرائیویٹ ادارہ جات بھی ہیں جو لاء' اکاؤنٹنسی بینکنگ وغیرہ میں پروگرام آفر کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کراچی' لاہور' اسلام آباد اور پشاور میں واقع برٹش کونسل کے دفاتر و لائبریری سے بھرپور استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

ماسٹرز۔ ایم فل اور Ph.D میں داخلہ حاصل کرنے کے لئے براہ راست ادارہ سے خط وکتابت کر کے داخلہ فارم وغیرہ منگوانے ضروری ہوتے ہیں۔ فارم پُر کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ درخواست جمع کروانے کی آخری تاریخ کیا ہے نیز درخواست کی فیس کیا ہے اور یہ کوشش ہونی چاہئے کہ فارم ادارہ میں جلد از جلد پہنچ جائیں۔ برطانیہ میں چونکہ پوسٹ گریجویٹ تعلیم پہ زیادہ اخراجات اٹھتے ہیں اس لئے اس بات کو خاص طور پر مد نظر رکھا جائے کہ کل کورس پر اور اس دوران رہائش وغیرہ پر کتنے اخراجات اٹھیںگے۔ ٹیوشن فیس سالانہ جمع کروانا ضروری ہوتی ہے۔ تعلیم کے دوران کسی قسم کی مالی معاونت کی صورت میں ٹیوشن فیس مکمل طور پر ختم ہو جاتی یا کچھ حصہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ مالی معاونت بصورت سکالرشپ۔ اسٹنٹ شپ کے بارے میں بھی معلومات برٹش کونسل کہ متعلقہ ادارے سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ پوسٹ گریجویٹ ایوارڈ کونسلز بھی ہیں جو عام طور پر تحقیق کے لئے مالی معاونت کرتی ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

1. Biotecnology and Biological Science.
Polaris House - North Star Avenue. Swindon - SN21UH - UK

2. Economics & Social Research.

3. Medical Research.
20 Park Crescent - London Win4 AL. UK

4. Agriculture, Fisheries & Food

8. Humanities Research Board
Block1, Spur 15, Govt Buildings
Honey Pot Lane, Stanmore - Middlesex
HA7 IAZ (UK)

جو طلباء و طالبات برطانیہ میں پوسٹ گریجوئیٹ تعلیم کے لئے جانا چاہتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ Tofel یا برٹش کونسل کے تحت ہونے والا امتحان IELTS کلیئر کریں۔
ایک تو ادارہ جات اس کو داخلہ کے لئے لازم قرار دیتے ہیں دوسرے ویزا حاصل کرتے وقت اس کی کلیئرنس دکھانا ضروری ہوتا ہے۔ (نظارت تعلیم)

R No 105, Nobal House, 17 Smith Square
London Swip 3 JR (UK)

5. Partical Physics & Astronomy.
Polaris House, Northstar Av - Swindon
SN21s2.

6. Engineering & Physical Sciences.
Polaris House, North Star Av, Swindon
Sn21ET (Uk)

7. Natural Environment Council
Polaris House, North Star Av, Swindon
Snziev (UK).

رپورٹ 43ویں آل پاکستان تربیتی کلاس 1999ء

زیر انتظام مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

(رپورٹ: مکرم مسعود احمد صاحب سلیمان۔ ناظم اعلیٰ)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے 43ویں مرکزی تربیتی کلاس اپنی پوری روایات کے ساتھ مورخہ یکم تا 15 مئی 1999ء ایوان محمود ربوہ میں منعقد کی گئی۔ یہ تربیتی کلاس طلباء کی ذہنی، جسمانی، اخلاقی اور روحانی استعدادوں کی نشوونما کیلئے ہر سال باقاعدگی سے منعقد کی جاتی ہے۔

تربیتی کلاس کا اصل مقصد

۱۹۸۳ء کی تربیتی کلاس کا افتتاح فرماتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:۔

"تربیت کے متعلق سب سے زیادہ زور اس بات پر دینا چاہئے کہ جو احمدی طالب علم یہاں آتا ہے اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذاتی تعلق قائم ہو جائے اور یہ نمایاں احساس لے کر یہاں سے جائے کہ اس نے گویا سب سے عظیم اور نہ ختم ہونے والے خزانہ کی راہ پالی ہے۔ وہ یہاں سے ایک اعتماد لے کر جائے اور یہ یقین لے کر جائے کہ آج کے بعد میں نے اللہ کا بننا ہے اور اللہ نے میرا ہو جانا ہے۔ یہ وہ مرکزی چیز ہے جس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر یہ حاصل ہو جائے تو پھر ساری علمی کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں۔ تمام تربیتی کمزوریاں ختم ہو جاتی ہیں اور انسان ایک عظیم الشان اور نہ ختم ہونے والے تعمیری دور میں داخل ہو جاتا ہے۔"

فیکٹری سے تشبیہ

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس کلاس کو ایک فیکٹری سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:۔

"فیکٹریوں میں Raw Material ایک طرف سے داخل ہوتا ہے تو اس کی شکل اور ہوتی ہے۔ اور جب وہ ڈھل کر باہر نکل رہا ہوتا ہے تو اس کی شکل بالکل اور ہو چکی ہوتی ہے .... اس لئے ہمارے عزیز طلباء کے یہاں آتے وقت کا معیار اور ہونا چاہئے اور باہر جاتے وقت کا معیار بالکل اور ہونا چاہئے۔ ایک نمایاں فرق پیدا ہونا چاہئے۔ جاتی دفعہ ان کے اندر ایک حسن پیدا ہو اور محسوس ہو کہ ہاں کچھ تبدیل ہو کر یہ بچے یہاں سے نکلے ہیں"۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کی تعمیل میں یہ کوشش کی گئی کہ ان پندرہ ایام کا پروگرام اس طرح ترتیب دیا جائے جس سے طلباء زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں اور ان کی دلچسپی بھی قائم رہے۔ ان کا وقت ضائع نہ ہو اور وہ بامقصد، منظم اور فعال زندگی گزارنے کی عادت اپنے اندر پیدا کر لیں۔

انتظامیہ سالانہ تربیتی کلاس 1999ء

۱۔ ناظم اعلیٰ۔ خاکسار مسعود احمد سلیمان

۲۔ نائب ناظم اعلیٰ۔ مکرم انتصار احمد نذر صاحب

۳۔ ناظم رابطہ۔ مکرم حافظ عبد الاعلیٰ صاحب طاہر

۴۔ ناظم روشنی۔ مکرم مرزا فضل احمد صاحب

۵۔ناظم تدریس۔ مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب

۶۔ایڈیشنل ناظم تدریس۔ مکرم سید مبشر احمد ایاز صاحب

۷۔ناظم نظم وضبط۔ مکرم قمر احمد صاحب کوثر

۸۔ناظم کھیل و وقار عمل۔ مکرم راجہ رشید احمد صاحب

۹۔ناظم تربیت۔ مکرم شبیر احمد ثاقب صاحب

۱۰۔ایڈیشنل ناظم تربیت۔ مکرم نصیر احمد انجم صاحب

۱۱۔ناظم طبی امداد۔ مکرم ڈاکٹر عبد اللہ پاشا صاحب

۱۲۔ناظم مشق تقاریر ہیئج وانعامات۔ مکرم فخر الحق شمس صاحب

۱۳۔ناظم خوراک۔ مکرم سلیم الدین صاحب

۱۴۔ناظم رہائش۔ مکرم امین الرحمٰن صاحب

۱۵۔ناظم آب رسانی وصفائی۔ مکرم حافظ حفیظ الرحمان صاحب

۱۶۔ناظم استقبال ورجسٹریشن۔ مکرم خلیل احمد صاحب تنویر

۱۷۔ناظم سمعی وبصری۔ مکرم عبد السمیع خان صاحب

۱۸۔ناظم حاضری ونگرانی۔ مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب

۱۹۔ناظم مہمان نوازی۔ مکرم ظفر اللہ خان صاحب طاہر

۲۰۔ناظم سٹال۔ مکرم راجہ رفیق احمد صاحب

۲۱۔ایڈیشنل ناظم سٹال۔ مکرم مجد الدین مجد صاحب

کمیٹی عملی پروگرام

(نگران) مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب اشرف

(ممبران) خاکسار مسعود احمد سلیمان

مکرم سلیم الدین صاحب، مکرم امین الرحمان صاحب

مکرم فخر الحق شمس صاحب، مکرم راجہ رشید احمد صاحب

مکرم حافظ حفیظ الرحمان صاحب

معائنہ ٹیم

(نگران) مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب اشرف

مکرم سید محمود احمد صاحب، مکرم ڈاکٹر سمیع الاحمد صاحب

تمام ناظمین نے اپنے اپنے شعبہ کی تفصیلی سکیم وبجٹ تیار کیا۔ جو باقاعدہ عاملہ کے اجلاس میں زیر بحث لایا گیا۔ تفصیلی غور و فکر کے بعد اس کی منظوری دی گئی۔ اس طرح ہر شعبہ نے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔

کلاس کیلئے رابطے

اس کلاس میں صرف انہی خدام کو شرکت کی اجازت تھی جنہوں نے امسال میٹرک کا امتحان دیا تھا۔ ان تمام طلباء تک اطلاع پہنچانے کیلئے نمائندگان مجلس مشاورت، قائدین اضلاع و مجالس کو خطوط بھیجے گئے۔ ان سے زبانی رابطہ بھی کیا گیا۔ اسی طرح جماعت کے بعض بزرگوں کو اس کلاس کی کامیابی کیلئے دعا کی درخواست بھی کی گئی۔

حضور انور ایدہ اللہ کی دعائیں

کلاس کے آغاز پر محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز کی خدمت میں دعا کیلئے فیکس کی۔ جس کے جواب میں از راہ شفقت حضور انور نے بذریعہ فیکس فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ آپ کی کلاس کو ہر لحاظ سے کامیاب اور بابرکت فرمائے اور شامل ہونے والوں کے علم میں ترقی ہو اور علم کا شوق پیدا ہو۔ میری طرف سے تمام ممبران کلاس اور معاونین کو محبت بھرا اسلام۔"

ان پندرہ ایام میں حضور انور کی دعاؤں کو قدم بقدم پورا ہوتے ہوئے ہم نے دیکھا۔ فالحمد للہ علی ذالک

ڈیوٹیوں کا آغاز

اگرچہ اکثر شعبہ جات پہلے سے متحرک ہو چکے تھے تاہم باقاعدہ ڈیوٹیوں کا آغاز کلاس سے دو روز قبل مورخہ ۲۹ اپریل کو ہوا۔ محترم صدر صاحب مجلس نے ہر شعبہ کے انتظامات کا موقع پر جا کر معائنہ فرمایا اور ضروری ہدایات دیں۔

افتتاح

مورخہ یکم مئی ۱۹۹۹ء صبح آٹھ بجے کلاس کا افتتاح مکرم و محترم حافظ مظفر احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد برائے دعوت الی اللہ و سابق صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے فرمایا۔ آپ نے آنحضرت ﷺ کے دور مبارک میں صحابہ کی 15 روزہ کلاس کا تذکرہ فرماتے ہوئے طلباء کو اس کلاس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی ترغیب دلائی۔ افتتاح کے ساتھ ہی باقاعدہ کلاس کا آغاز ہو گیا۔

پروگرام تربیتی کلاس

نماز تہجد: نماز تہجد کیلئے صبح سوا تین بجے بیداری کروائی جاتی۔ نماز تہجد اور فجر باجماعت ادا کی جاتی۔

درس حدیث: فجر کے بعد روزانہ ممبران عاملہ میں سے کوئی ایک درس حدیث دیتا۔ عناوین کا انتخاب پہلے سے کر لیا گیا۔

پی ٹی: طلباء کو Trained Instructor روزانہ صبح چند منٹ کیلئے پی ٹی کرواتے۔

طعام: طلباء کے کھانے کا انتظام دارالضیافت میں تھا۔ طلباء کو بروقت تینوں اوقات کا کھانا مہیا کیا جاتا۔ ان دنوں کیلئے مینو میں بھی کچھ تبدیلی کی گئی تھی۔ تاکہ طلباء کی زیادہ بہتر مہمان نوازی ہو سکے۔

تدریس: تدریس کیلئے روزانہ صبح سوا سات بجے طلباء ہال ایوان محمود پہنچ جاتے۔ جہاں ۱۱ بجے تک طلباء کو پڑھایا جاتا۔ اس دوران آدھ گھنٹہ کا وقفہ بھی ہوتا۔ درج ذیل پیریڈز رکھے گئے۔

۱۔ قرآن کریم ناظرہ

۲۔ قرآن کریم باترجمہ

۳۔ حدیث و فقہ

۴۔ کلام

تدریس کیلئے ایک نصاب تیار کیا گیا تھا جس کی ایک ایک کاپی قیمتاً طلباء کو دی گئی۔

تدریس کے آخر میں روزانہ مختلف علوم کے ماہرین علمی و معلوماتی لیکچرز دیتے۔ ان میں کمپیوٹر، ڈش انٹینا، تعلیمی مشورے، حفظان صحت جیسے موضوعات بھی شامل تھے۔

مشق تقاریر: روزانہ 11 بجے سے 11:45 بجے تک طلباء کو سٹیج کا خوف دور کرنے اور ان میں تقریر کا ملکہ پیدا کرنے کیلئے تقاریر کی مشق کروائی جاتی رہی۔ جس سے طلباء نے خوب استفادہ کیا۔ اس کے بعد طلباء دوپہر کے کھانے کے لئے دارالضیافت جاتے۔

نماز ظہر و آرام: نماز ظہر ایوان محمود میں باجماعت ادا کی جاتی۔ دو بجے سے ساڑھے چار بجے تک طلباء آرام کرتے۔

نماز عصر و تقاریر علماء سلسلہ: نماز عصر باجماعت ادا کرنے کے بعد جید علماء سلسلہ تشریف لا کر منتخب تربیتی موضوعات پر طلباء کو خطاب سے نوازتے۔ طلباء ان خطابات سے بہت متاثر ہوتے۔

تیراکی، کھیل: روزانہ شام طلباء کھیل کے لئے مختلف گراؤنڈز میں جاتے۔ سوئمنگ پول سے بھی طلباء کی بڑی تعداد لطف اندوز ہوتی رہی۔

وقار عمل: وقار عمل کی عادت ڈالنے کے لئے روزانہ عصر کے بعد طلباء کا ایک گروپ وقار عمل کرتا۔ یہ وقار عمل احاطہ ایوان محمود اور احاطہ بیت اقصیٰ میں کئے گئے۔ اسی طرح طلباء اپنی اپنی رہائش گاہوں

کی خود صفائی کرتے۔ نیز جمعۃ المبارک والے دن صبح تمام رہائش گاہوں کی اچھی طرح طلباء نے صفائی کی۔

نماز مغرب و طعام: نماز مغرب بیت المبارک میں ادا کرنی ضروری تھی۔ طلباء نظم وضبط کے ساتھ بیت المبارک جاتے اور نماز کے بعد ان دنوں میں خصوصی درسوں کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ درس سننے کے بعد طلباء دارالضیافت رات کے کھانے کیلئے جاتے۔

نماز عشاء و MTA سے استفادہ: نماز عشاء باجماعت ایوان محمود میں ادا کی جاتی۔ اس کے بعد روزانہ آدھ گھنٹہ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی مختلف ویڈیو فلمز دکھائی جاتی رہیں۔ جس میں ملاقات پروگرام اور مختلف خطبات شامل تھے۔

سٹڈی ٹائم و آرام: آدھ گھنٹہ سٹڈی ٹائم مقرر تھا۔ طلباء اپنی اپنی رہائش گاہوں میں جاکر روزانہ کی تدریس کی دہرائی کرتے۔ اور پھر رات آرام کرتے۔

ملاقات صدر مجلس: روزانہ طلباء کے ایک گروپ کے ساتھ محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان مختصر میٹنگ کرتے جس میں آپ مختلف تنظیمی وتربیتی امور پر طلباء سے گفتگو فرماتے اور کلاس سے متعلق طلباء کے تاثرات ومشورہ جات سنتے۔

مجالس سوال وجواب: دوران کلاس دو مجالس سوال وجواب کا انعقاد کیا گیا۔ جن میں سلسلہ کے جید علماء نے طلباء کے سوالات کے مبسوط جوابات دیئے۔

طبّی امداد: ہومیوپیتھی اور ایلوپیتھی کے الگ الگ کلینک بنائے گئے تھے جہاں سے بیمار طلباء کا علاج کیا جاتا تھا۔ جو طلباء زیادہ بیمار ہوتے انہیں فضل عمر ہسپتال بھجوایا جاتا۔ انتظامیہ فضل عمر ہسپتال کا بھرپور تعاون ہمیں حاصل رہا۔ فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء

دفتر امانت رقوم: جو طلباء اپنے ساتھ زیادہ رقم لائے تھے ان کے لئے امانت رقوم کا الگ دفتر قائم کیا گیا جہاں وہ اپنی رقم جمع کرواتے اور حسب ضرورت حاصل کرتے رہے۔ نیز قیمتی اشیاء کی حفاظت کا بھی انتظام کیا گیا۔

سٹال ریفریشمنٹ: ان ایام میں احاطہ ایوان محمود میں خورد ونوش کا ایک سٹال بھی لگایا گیا۔ جہاں سٹیشنری اور کھانے پینے کی مختلف اشیاء ارزاں نرخ پر دستیاب تھیں۔

صبح کی سیر: مورخہ 7 مئی بروز جمعہ فجر کے بعد طلباء کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر کے ربوہ کی سیر کروائی گئی۔ ہر گروپ کیلئے ایک گائیڈ مخصوص تھا جو ربوہ کی تاریخ کے ساتھ ساتھ مختلف مقامات کا تعارف کرواتا رہا۔ طلباء نے صبح کی سیر پر مضمون بھی لکھے۔ 100 سے زائد مضامین موصول ہوئے۔ پوزیشنز لینے والے طلباء کو انعامات بھی دیئے گئے۔

ناظمین یوم و معائنہ کمیٹی: مرکزی عاملہ میں سے روزانہ ایک ممبر کو ناظم الیوم بنایا جاتا اسی طرح ایک معائنہ کمیٹی بنائی گئی جو روزانہ مختلف شعبہ جات کی کارکردگی کا جائزہ لیتے اور مختلف مسائل کی فوری رپورٹ کرتے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بروقت حل کر دیئے جاتے۔

پکنک: کلاس کا آخری دن مورخہ 15 مئی عملی پروگرام کے طور پر منایا گیا۔ طلباء نے احاطہ بیت اقصیٰ میں پکنک منائی۔ جہاں مختلف ورزشی مقابلہ جات بھی ہوئے۔ پکنک کا ایک خاص حصہ دلچسپ تفریحی پروگرام تھا جس کے لئے طلباء نے خوب تیاری کی ہوئی تھی۔ اس میں اچھے لطائف، غزلیں، مختلف خاکے، مزاحیہ مشاعرہ وغیرہ بھی شامل تھے۔ طلباء اس سے بہت محظوظ ہوئے۔

تحریری امتحان: تدریس کے اختتام پر مورخہ 14 مئی بروز جمعہ طلباء کا تحریری امتحان ہوا جو طلباء نے نہایت نظم وضبط کے ساتھ دیا۔ اس میں پوزیشنز لینے والے طلباء انعام کے حقدار قرار پائے۔

چند اہم امور

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز کی خواہش کی تکمیل میں طلباء کو مختلف واقعات، معجزات اور نشانات بتا کر خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق پیدا کرنے کی مسلسل ترغیب دی گئی۔ سب سے زیادہ تلقین عبادت پر کی گئی۔ الحمدللہ ان پندرہ دنوں میں طلباء نہ صرف نماز باجماعت کے پابند رہے بلکہ اکثر طلباء انفرادی نوافل بھی باقاعدگی سے ادا کرتے رہے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب تحریک

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی وہ بابرکت تحریک بھی طلباء کو کی گئی کہ اپنی کوئی ایک برائی چھوڑ دیں اور ایک نیکی اختیار کرنے کا عزم کریں۔ طلباء نے اس تحریک پر بھی لبیک کہی اور ذوق و شوق سے اپنے تحریری وعدے پیش کئے۔ جائزہ کے مطابق اس تحریک میں قریباً 350 طلباء شامل ہوئے۔ سب سے زیادہ جھوٹ کی بدعادت سے اجتناب کرنے سچ اختیار کرنے اور عبادت پر دوام حاصل کرنے کے وعدے ملے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک

طلباء کو ٹوپی پہننے کی طرف بھی توجہ دلائی گئی۔ الحمدللہ قریباً تمام طلباء نے اس کا اہتمام کیا۔

خلافت سے زندہ تعلق

خلافت سے زندہ تعلق قائم کرنے کے لئے طلباء کو MTA کے ذریعہ حضور انور کے پروگرام دیکھنے آپ کے لئے روزانہ دعا کرنے اور باقاعدگی سے دعائیہ خطوط لکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی۔ جو دعائیہ خطوط دفتر کے ذریعہ بھجوائے گئے ان کی تعداد قریباً 450 تھی۔ ایام کلاس میں حضور انور کے دونوں خطبات جمعہ براہ راست MTA کے ذریعہ سنائے گئے۔

تحریک وصیت

طلباء کو وصیت کرنے کی بھی تحریک کی گئی۔ اللہ کے فضل سے 179 طلباء نے ان ایام میں وصیت کرنے کا عزم باندھا۔ اللہ کرے یہ تمام طلباء اپنے عہدوں کو پورا کرنے اور اپنے اندر ایک پاک انقلاب پیدا کرنے والے ہوں۔

حاضری

گذشتہ سال 48 اضلاع کی 197 مجالس سے 639 طلباء نے اس کلاس میں شرکت کی تھی جب کہ امسال اللہ کے فضل سے 48 اضلاع کی 239 مجالس کے 762 طلباء نے شرکت کی۔ فالحمدللہ علی ذلک

اختتامی تقریب

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کامیاب تربیتی کلاس کی اختتامی تقریب مورخہ 15 مئی کی رات ایوان محمود میں منعقد کی گئی۔ جس کے مہمان خصوصی مکرم و محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی تھے۔ تلاوت کے بعد محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے خادم کا عہد لیا اس کے بعد چند طلباء نے نہایت خوبصورت آواز میں ترانہ پیش کیا۔ تربیتی کلاس کی رپورٹ خاکسار نے پیش کی بعدہ اعزاز حاصل کرنے والے طلباء میں محترم امیر صاحب مقامی نے انعامات تقسیم فرمائے۔ پھر محترم مہمان خصوصی نے اختتامی خطاب سے نوازا اس میں محترم صاحبزادہ صاحب نے طلباء کو نصیحت کی کہ انہوں نے جو کچھ یہاں سے سیکھا ہے اسے ہمیشہ یاد رکھیں۔ اپنی زندگیوں میں جاری کریں اور واپس جا کر اپنے ماحول میں ان نیک باتوں کو رواج دیں۔ دعا کے بعد یہ پروقار تقریب اختتام پذیر ہوئی۔ الحمدللہ علی ذالک

☆☆☆☆
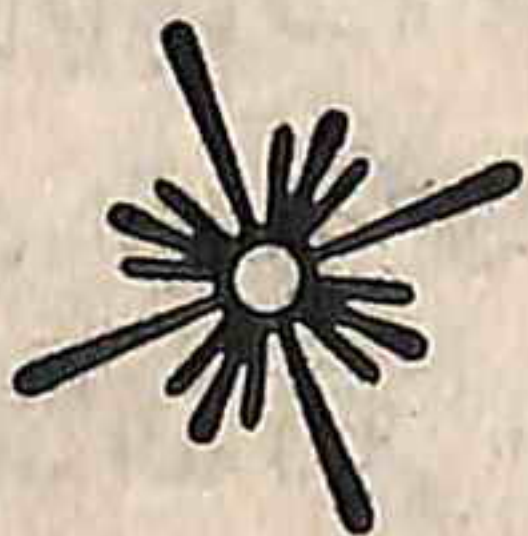
۴۳ویں تربیتی کلاس ۱۹۹۹ء کے خدام
وقارِ عمل کرتے ہوئے۔

تربیتی کلاس کے خدام میں
مقابلہ رسہ کشی کا منظر۔

تربیتی کلاس کے طلباء
ایک مزاحیہ پروگرام
پیش کر رہے ہیں۔
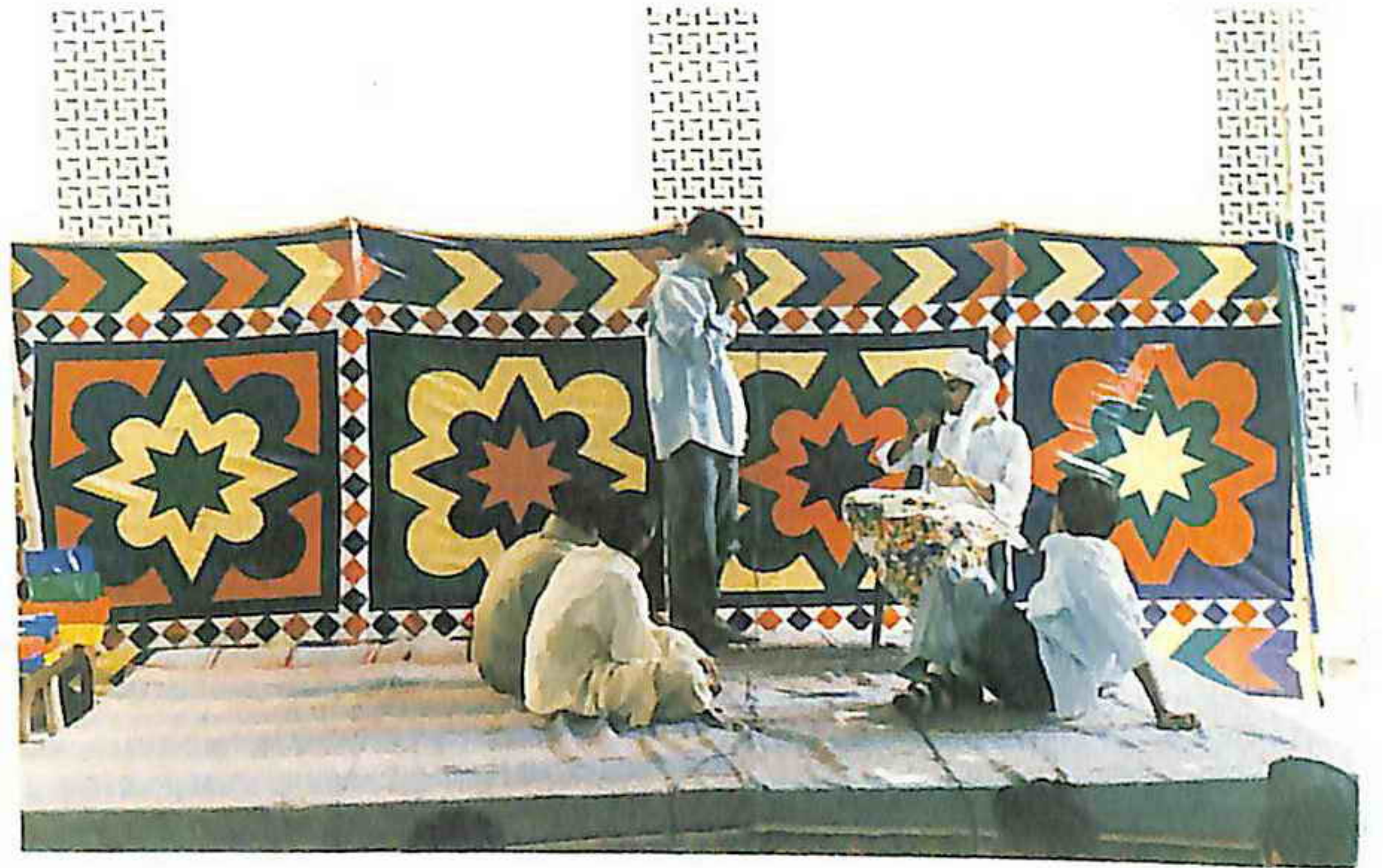
تربیتی کلاس کے طلباء
سوئمنگ پول میں نہا رہے ہیں

Monthly **Khalid** Rabwah

Regd. N0. CPL-139 *Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz* **July 1999**

سالانہ تربیتی کلاس کی اختتامی تقریب میں محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب امیر مقامی و ناظر اعلیٰ نمایاں پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء کو انعام دے رہے ہیں